دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی تمام مجلات کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

شمارہ 05، جلد 23، مئی 2014ء/رجب 1435ھ



امام کعبہ، چیف ایڈیٹر کے گھر میں!

زندگی کی ایک بڑی خواہش جو پوری ہوگئی

عبدالمالک مجاہد

ایٹمی توانائی کے تعمیری مقاصد!

یوم تکبیر کے حوالے سے ڈاکٹر سلطان بشیر الدین

سابق ڈائریکٹر کہوٹہ پلانٹ کا ولولہ انگیز انٹرویو



فحاشی

کا سیلاب اور اس کے

دینی و دنیوی نقصانات





امریکہ میں اسلام کی چھوٹی سی لہر

آؤ چلیں کامیابی کی شاہراہ پر

طلبائے عزیز کے لیے عمدہ راہنمائی



ماہنامہ

ضیائے حدیث

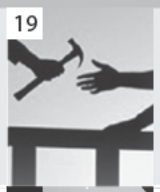
علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

الہور

شمارہ 5 | جلد 23 | مئی 2014ء / رجب 1435ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

وسعتِ دامان

حقوق و فرائض محنت کی عظمت مولانا عمران صارم	19		
مکتوب الریاض دو ایمان افروز تقاریب عبدالمالک مجاہد	22		
افتاء و ارشاد رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا؟ ابوالحسن عبدالخالق	26		
طب و سائنس الرزاق اور اس کی رزق رسانی کے طریقے ڈاکٹر طارق ریاض	72		

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی ایڈیٹر محمد نعمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد | حبیب کبریا

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمر الحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم
آرٹ اینڈ ڈیزائن: طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

ہارون الرشید (گرافک ڈیزائنر) جاوید اقبال (گرافک ڈیزائنر) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)
قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ) ملک نور محمد سرفراز اعوان

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- برائے ایزی پیسہ:
موسیٰ علی
0313 75 79 034
شناختی نمبر
34101-4002586-9

- آن لائن کروانے کے لیے:
A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court
Branch Lahore. Br Code: 1317

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی +92 313 75 79 034
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہ ہے۔ نفسِ مضمون کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔
(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔ لوئر مال، لاہور

اداریہ	مزدوروں کے حقوق کا ضامن..... دین اسلام	چیف ایڈیٹر	5
رپورٹ	امام کعبہ، چیف ایڈیٹر کے گھر میں	عبدالمالک مجاہد	7
تجلیات قرآن	فرعونوں کی ہلاکت کے بعد.....!	محمد نعمان فاروقی	11
اشاعت حدیث	غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث	ابوانس	14
اخلاقیات	فحاشی کا سیلاب اور اس کے نقصانات	عبداللہ ناصر رحمانی	15
حقوق و فرائض	محنت کی عظمت	مولانا عمران صارم	19
مکتوب الریاض	دو ایمان افروز تقاریب	عبدالمالک مجاہد	22
افتاء و ارشاد	رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا؟	ابوالحسن عبدالخالق	26
تعلیم و تعلم	آؤ چلیں کامیابی کی شاہراہ پر	محمد زبیر حسین	33
انٹرویو	ایٹمی توانائی کے تعمیری مقاصد!!	ڈاکٹر سلطان بشیر الدین	39
رپورٹ	دارالسلام ماورفتہ	حافظ محمد ندیم	46
عبرت و موعظت	سودخوروں کا عبرتناک انجام	محمد اشرف آزاد	47
مکتوب امریکہ	امریکہ میں اسلام کی چھوٹی سی لہر	حافظ عبدالوحید سوہدروی	48
گوشۂ خواتین	جذبۂ حیا اور غیرت مند خواتین	طارق جاوید عارفی	51
اصلاح معاشرہ	خبردار! نوسربازوں سے ہوشیار رہیے!!	حافظ شبیر صدیق	57
احکام و مسائل	امانت اور اس کی حدود و قیود	حافظ عبدالسمیع	66
طب و سائنس	الرزاق اور اس کی رزق رسانی کے طریقے	ڈاکٹر طارق ریاض	72

سالانہ رعایتی زرتعاون | عام ڈاک صرف 460 روپے | رجسٹری ڈاک 800 روپے
دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون | سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 30 یورو
قیمت فی شمارہ 40 روپے

مزدوروں کے حقوق کا ضامن

دینِ اسلام

یکم مئی کو دنیا بھر میں مزدوروں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس روز پورے پاکستان میں چھٹی ہوتی ہے۔ بڑے شہروں میں مزدوروں کی ریلیاں نکالی جاتی ہیں اور سیمینار منعقد ہوتے ہیں۔ لیبر لیڈر بڑے جوش وخروش سے تقاریر کرتے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر یہ سوچ آتی ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں، جہاں غربت اور افلاس سب سے نچلی سطح پر ہے، کیا اس جیسے ممالک میں یوم مئی منانے کی ضرورت ہے۔ چلیے مان لیتے ہیں کہ جن لوگوں کی ملوں میں یا سرکاری اداروں میں ملازمت ہے۔ انھیں تو تنخواہیں مل جائیں گی، بعض اوقات ان میں اضافہ بھی کر دیا جائے گا، مگر ہمارے وطن عزیز میں تو کروڑوں کی تعداد میں ایسے مزدور اور دیہاڑی دار ہیں جن کو ماہوار تنخواہ نہیں ملتی بلکہ اگر انھوں نے اس دن دیہاڑی لگائی تو ان کو معاوضہ ملے گا ورنہ انھیں خالی ہاتھ رہنا ہوگا۔ جس دن کسی مزدور کو مزدوری نہیں ملی اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ کیا اس دن اس کے بچوں کو روٹی فراہم کرنا معاشرے کی ذمہ داری نہیں؟ اگر میرے بس میں ہوتا تو مزدور کو اس دن کا بھی پورا معاوضہ دلواتا جس میں وہ بیمار ہے یا اسے کوشش کے باوجود کام نہیں ملا۔ اگر ہم غور کریں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یوم مئی منانے سے مزدور کو اس کے حقوق مل جاتے ہیں؟ اس بے چارے کو تو اس روز بھی فٹ پاتھ پر سونا پڑتا ہے۔ ''ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات''

میں ایسے کتنے ہی لوگوں کو بچپن سے اچھی طرح جانتا ہوں کہ جن کی ساری زندگی محنت اور مزدوری میں گزر گئی۔ پاکستان میں اس دن کی مناسبت سے خوب ہنگامہ ہوگا۔ کتنے ہی سوشل ورکرز، این جی اوز مزدوروں کی واک کا اہتمام کرتے نظر آئیں گے۔ مگر سوال پھر یہی ہے کہ کیا اس قسم کے ڈرامے رچانے سے بے چارے مزدوروں کو ان کے حقوق مل گئے؟

حکمران طبقہ بھی اس دن میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ اخبارات خصوصی ایڈیشن شائع کرتے ہیں۔ ٹی وی چینلز خصوصی پروگرام چلاتے ہیں، مگر سوال پھر وہی ہے کہ اس سے مزدور کو کیا ملتا ہے؟ ہمارے مزدوروں کی حالت یکم مئی آنے سے پہلے جو تھی اس کے بعد بھی وہی رہتی ہے۔ وہ پہلے بھی آٹا اور چاول ادھار لے کر کھاتا ہے اس دن کے بعد بھی اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

یہ حکومتیں، یہ این جی اوز بے چارے مزدور کو کیا دیں گی۔ انھیں اسلام نے چودہ صدیاں پہلے جو حقوق دیے تھے، بدقسمتی سے لوگ ان چیزوں سے غافل ہیں۔ میں نے کتنی مرتبہ غور کیا ہے بلکہ گھنٹوں سوچتا رہتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا انقلاب اس قدر جلد کیسے کامیاب ہوا۔ دیکھیے اور غور کیجیے اسلام کو سب سے پہلے اور بالعموم قبول کرنے والے غریب طبقہ کے محنت کش ہی تھے۔ سیدنا خباب بن ارتؓ لوہار تھے، مکہ مکرمہ میں تلواریں بنا کر فروخت کرتے تھے۔ سیدنا صہیب رومی مکہ مکرمہ میں سنار کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھے۔ یہ عورتوں کے زیور بناتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ خود اپنے گھر کا کام اپنے ہاتھوں سے کیا کرتے تھے۔ آپ بکری کا دودھ دوہ لیتے۔ گھر والوں کے ضروری کام بجا لاتے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر میں جاتے تو ان کے لیے لکڑیاں کاٹ کر لے آتے۔ آپ ﷺ نے مزدوروں اور محنت کشوں کے جو حقوق آج سے چودہ سو سال پہلے عطا کر دیے تھے، بعد میں دنیا ان کی مثال لانے سے قاصر رہی۔

جو آدمی اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کھائے اس کی فضیلت آپ ﷺ نے کس طرح بیان فرمائی۔ آیئے صحیح بخاری سے ایک حدیث پڑھتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کے لیے اس سے بہتر کھانا کوئی نہیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''سیدنا داود علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔''(صحيح البخاري: 2072) اسلام نے تو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو سخت معیوب سمجھا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو اپاہج نہیں بنایا کہ وہ مانگتی پھرے۔ بلکہ آپ ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم سامنے رکھیے: ''تم میں سے کوئی ایک رسی لے کر پہاڑوں کی طرف نکل جائے، وہاں سے لکڑیاں کاٹے، انھیں اپنی کمر پر اٹھائے اور پھر بازار لا کر انھیں فروخت کر کے اپنا گزارا کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے کی ذلت سے محفوظ رکھے گا۔ یہ بات اس کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے، ان سے مانگے، کسی کی مرضی ہوئی تو اسے کچھ دے دیا اور کسی نے کچھ نہ دیا۔''(المسند المستخرج على صحيح مسلم: 108/3، حديث: 2323)

اسلام نے مزدور کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ بعض پیشوں کو لوگ کم تر اور اپنے لیے اہانت کا باعث سمجھتے ہیں، مگر ہمارے آقا و مولیٰ اور مزدوروں کے سب سے بڑے ہمدرد نے فرمایا: ''زکریا علیہ السلام تو نجار یعنی بڑھئی تھے۔'' نیز ارشاد فرمایا: ''تمام انبیاء نے بکریاں چرائی ہیں۔'' صحابہ کرام حیرت اور تعجب سے پوچھ رہے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ ارشاد فرمایا: ''ہاں میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔ میں نہایت کم اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔''(صحيح البخاري: 2262)

اسلام نے مزدوروں کو جو حقوق دیے اور ان کے لیے جو ضوابط مقرر فرمائے وہ اتنے پیارے ہیں کہ ان کے اندر آجر اور اجیر دونوں کے حقوق ادا ہوتے ہیں۔ اسلام نے ایک موٹا اصول بتا دیا کہ «وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ.....» ''مزدوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو لیکن اگر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا پڑ جائے تو پھر تم خود ان کی مدد کر دیا کرو۔''(صحيح البخاري: 2545) اسلام نے رہنمائی فرمائی کہ ان کی خوراک اور آرام کا مکمل خیال رکھا جائے۔ سبحان اللہ! اسلام نے تو انسانوں کا ہی نہیں بلکہ حیوانوں کا بھی بھرپور خیال رکھا ہے۔ انھیں بھی حقوق عطا فرمائے ہیں کہ انھیں بروقت چارہ دیا جائے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان سے بھی کام نہ لیا جائے۔ پھر مزدور کی اصل مشکل جو اسے ہر دور میں پیش آتی تھی کہ مزدور کو معاوضہ دینے میں سرمایہ دار لیت ولعل سے کام لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے مزدور طبقہ کی یہ بہت بڑی مشکل حل کر دی۔ ارشاد فرمایا: «أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ» ''اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے اس کا حق اور معاوضہ ادا کر دیا جائے۔''(سنن ابن ماجه: 2443) اب ذرا غور کریں کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ پانچ دس منٹ، آپ زیادہ کریں تو پندرہ منٹ لگ جائیں گے، اب ذرا ارشاد نبوی پر غور فرمائیں، فرمایا: پسینہ خشک ہونے سے پہلے۔ گویا ادھر مزدور نے اپنا کام ختم کیا ادھر اسلام ہمیں حکم دے رہا ہے کہ اس کا معاوضہ ادا کر دیا جائے۔

مزدور کے حقوق کے حوالے سے ایک اور حدیث پڑھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ''تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے روز میں خود ان کے مدمقابل ہوں گا۔ ایک وہ شخص جو میرے نام سے کسی کے ساتھ وعدہ کرے پھر اس میں غداری کرے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی آزاد شخص کو اغوا کر کے اسے بیچ ڈالے اور اس کی قیمت کھا جائے۔ اور ایک وہ شخص جو کسی مزدور سے کام تو پورا لے لیکن اس کی اجرت ادا نہ کرے۔''

قارئین کرام! آیئے اسلامی معاشیات کا ایک اہم نقطہ قرآن کی زبان سے سنتے ہیں۔ یورپ کے جتنے حقوق اور ان کے زبانی جمع خرچ ہیں اس کا جواب صرف ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے دے کر ان نام نہاد این جی اوز کی زبانیں ہمیشہ کے لیے بند کر دی ہیں: ﴿كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ﴾ ''یہ مال و دولت صرف امیروں اور دولت مندوں کے درمیان ہی میں گردش نہ کرتا رہے۔''(الحشر 7:59) یاد رکھیے! اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے بڑا خوبصورت اقتصادی نظام دیا ہے۔ اس سے غربت ختم کی جا سکتی ہے یا اس میں کمی لائی جا سکتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں تو امیر امیر تر ہوتا ہے اور غریب غریب تر ہو جاتا ہے۔ سوشل ازم اور کیمونزم تو مزید اندھے گڑھے ہیں۔ انھوں نے غریبوں کو استحصال کے سوا کچھ نہیں دیا۔

امامِ کعبہ
چیف ایڈیٹر کے گھر میں

ہر انسان اپنی زندگی میں بہت ساری خواہشات اور تمنائیں اپنے دل میں رکھتا ہے۔ ان میں سے بعض اس کی زندگی ہی میں پوری ہو جاتی ہیں، جبکہ بعض خواہشات کو وہ دل میں لیے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ ایک مدت سے میری یہ خواہش تھی کہ امام کعبہ کبھی اپنے مبارک وجود سے میرے گھر کو رونق بخشیں۔ میرے قارئین میں سے بھی ہر کوئی چاہے گا کہ اگر ممکن ہو تو اس کے گھر امام کعبہ تشریف لائیں۔ بلاشبہ یہ بہت بڑے اعزاز اور سعادت والی بات ہے۔ میری یہ خواہش کسی دنیوی مقصد کے لیے نہ تھی، بلکہ ایک عرب شاعر کے مطابق:

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ... وَأَرْجُو أَنْ أَنَالَ بِهِمْ شَفَاعَهْ

وَأَكْرَهُ مَنْ تِجَارَتُهُ الْمَعَاصِي ... وَلَوْ كُنَّا سَوَاءً فِي الْبِضَاعَهْ

''میں نیک لوگوں سے دلی محبت رکھتا ہوں اگرچہ میں خود تو ان میں سے نہیں ہوں، مگر میں امید رکھتا ہوں کہ اچھے لوگوں کی صحبت کے باعث کل قیامت کے روز مجھے ان کی شفاعت نصیب ہوگی۔''

''میں ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہوں جن کی عمر کی پونجی گناہ کمانے میں صرف ہو رہی ہے، اگرچہ ہم اور وہ ایک ہی طرح کا رأس المال لے کر دنیا میں آئے ہیں۔''

فروری 2014ء کے آخری ایام کی بات ہے، ریاض میں ہمارے حلقہ تحفیظ القرآن کے صدر مدرس قاری اسد اقبال صاحب نے مجھے بتایا کہ حی الوزارات میں واقع ایک سکول میں حفاظ قرآن کی عزت افزائی کے لیے ایک تقریب منعقد ہو رہی ہے جس کے مہمان خصوصی امام کعبہ شیخ صالح بن حمید ہوں گے۔ اس تقریب میں چار بچے ہمارے بھی ہیں جن کو اسناد دی جائیں گی۔ میں چونکہ اس حلقہ کا نائب مشرف ہوں عملاً یہ حلقہ الحمدللہ میری ہی سرپرستی میں چل رہا ہے۔ قاری اسد اقبال صاحب کا اصرار تھا کہ میں اس میں ضرور شرکت کروں۔ کہنے لگے: باقی بچے سعودی ہیں۔ جہاں وہ بچے کلام اللہ کی تلاوت کریں گے وہیں ہمارے بچے بھی تلاوت کریں گے۔ ہمارے اس پروگرام کے انچارج نے بطور خاص آپ کو دعوت نامہ بھیجا ہے۔ پروگرام عشاء کی نماز کے فوراً بعد شروع ہوگا۔ یہ پروگرام جس جگہ میں ہو رہا تھا وہ دراصل ایک سکول ہے۔ میں نے فوراً ہامی بھر لی۔ وقت مقررہ پر تقریب کی جگہ پہنچ گیا۔ ہال کوئی بہت بڑا نہ تھا۔ مگر پروگرام واقعی بڑا زوردار تھا۔ اس پروگرام میں حفاظ کے ساتھ ساتھ ان کے آباء کو بھی سٹیج پر بلوا کر ان کی تکریم کی گئی۔ جب امام کعبہ شیخ صالح بن حمید تشریف لائے تو میں نے بھی انھیں سلام کیا۔ انھوں نے گلے لگا لیا۔ ہم پچھلی سیٹوں پر بیٹھے تھے۔ اگر میں اس پروگرام کی تفصیل بیان کرنے لگ جاؤں تو یہ مضمون خاصا لمبا ہو جائے گا۔ پروگرام کے اختتام پر میں نے منتظمین کو اس قدر شاندار پروگرام کرنے پر مبارک باد پیش کی۔ اس موقع پر میرے ایک پرانے دوست جنرل محمد السعد ان بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ آج سے کوئی تیس سال پہلے وزارۃ الدفاع والطیران میں ہم اکٹھے کام کرتے تھے۔ یہ اس وقت لیفٹیننٹ تھے۔ مگر ترقی کرتے کرتے وہ جنرل کے رتبے کو پہنچ گئے۔ پھر

وزارت دفاع کے مذہبی امور کے انچارج بن گئے۔ جند المسلم کے نام سے وزارت کا جو ماہوار پرچہ نکلتا ہے اس کے چیف ایڈیٹر بھی ہیں۔

پروگرام کے اختتام پر کھانے کا اہتمام تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی کہ جس ٹیبل پر شیخ صالح بن حمید بیٹھے کھانا تناول فرما رہے تھے اس سے ملحق ٹیبل پر میں نے قبضہ جما لیا۔ تمام پاکستانی ادھر آ گئے۔ ہمیں بھی وی آئی پی سلوک مل گیا بس ایسے ہی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر میں امام صاحب کو اپنے گھر آنے کی دعوت دوں تو وہ کیا مان جائیں گے؟ میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت متواضع شخصیت ہیں۔ جتنا کوئی بڑا آدمی ہوتا ہے، اسی قدر زیادہ تواضع اس میں پائی جاتی ہے۔ ہمارے سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ بعض اوقات اپنے شاگردوں کے گھروں میں بھی تشریف لے جانے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ کھانا ختم ہوتے ہی میں ان کی ٹیبل پر چلا گیا۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ میں نے عرض کی: معالی الشیخ! میری ایک تمنا ہے۔ پوچھنے لگے: کونسی؟ میں نے عرض کی: آپ کسی روز میرے گھر کھانے پر تشریف لائیں۔ اتنی دیر میں وہ واپس جانے کے لیے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنا عبایہ (جبہ) سنبھالا۔ اور باہر کی طرف چل دیے۔ مہمان کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ انھوں نے کھانا برائے نام ہی کھایا تھا۔ میں بھی ان کے ہمراہ چل دیا۔ دروازے کے باہر نکلے تو فرمانے لگے: شیخ عبدالمالک! کوئی حرج نہیں آپ کی دعوت قبول ہے۔ ان شاء اللہ! میں ضرور آؤں گا۔ کہنے لگے: یہ میرا سیکرٹری محمود ہے، اس سے فون نمبر لے لو، بعد میں دن اور وقت کا تعین کر لیں گے۔ میں نے عرض کی: چند روز بعد جناب پروفیسر ساجد میر صاحب سعودی عرب تشریف لا رہے ہیں۔ شیخ ساجد میر صاحب کا نام سن کر وہ خوش ہو گئے۔ فرمانے لگے: یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ٹھیک ہے ان کی موجودگی میں تمھارے گھر آئیں گے۔ لوگ ان کو الوداع کر رہے تھے، معانقہ ہو رہا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھے تو مجھے اشارہ کر کے قریب بلایا اور محمود سے کہا: شیخ عبدالمالک کو اپنا فون نمبر اور فیکس دے دو۔ وقت کا پہیہ بڑی تیزی سے گھومتا رہا۔

جناب پروفیسر ساجد میر صاحب مارچ کے شروع میں مکہ مکرمہ میں رابطة العالم الإسلامی کی کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تو کانفرنس سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے ہوتے ہوئے ریاض تشریف لائے۔ میں نے انھیں بتایا کہ شیخ صالح بن حمید نے میرے گھر آنے کی دعوت قبول کر لی ہے۔ آپ کے لیے جو وقت مناسب ہو بتا دیں تا کہ دونوں کی موافقت سے تاریخ کا تعین کر لیں۔ اس دوران میں نے متعدد بار ان کے سیکرٹری کو فون کیا، انھیں پیغام بھیجا مگر وہ انھیں مل نہ سکا، یا اللہ کو ایسا ہی منظور تھا۔ ہمارے ذہن میں یہی بات تھی کہ وہ نہایت مصروف آدمی ہیں۔ شاید فرصت نہ ہو۔ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ 16 مارچ کو ان کے گھر پروفیسر ساجد میر صاحب کی معیت میں ملاقات ہوئی۔ قہوہ اور چائے کے بعد گفتگو اور سوال و جواب شروع ہوئے تو میں نے دعوت والی بات یاد کروائی۔ فرمانے لگے: آپ نے بلایا ہی نہیں۔ میں نے وضاحت کی، فرمانے لگے: اچھا اب میرے دوسرے سیکرٹری سے نمبر لے لیں۔ یہ رابطہ کر لے گا۔ مجھے دو تین دن بعد پاکستان جانا تھا اس لیے تاریخ مقرر نہ کر سکا۔

19 مارچ کو پاکستان چلا گیا۔ پروفیسر صاحب ابھی تک ریاض ہی میں تھے۔ پاکستان میں قیام کے دوران ہی پروفیسر صاحب کا فون آ گیا کہ ہم آج پھر شیخ صالح بن حمید کے ہاں جا رہے ہیں اگر تم پسند کرو تو ان سے دعوت کی تاریخ کا تعین کر لیتے ہیں۔ اس ملاقات میں 13 اپریل 2014ء اتوار کی شام کو میرے گھر پر شیخ صاحب کی تشریف آوری کا وقت طے ہو گیا۔ پاکستان سے آنے کے بعد ایک مرتبہ پھر شیخ صاحب کے سیکرٹری نے پروگرام کنفرم کیا۔ ہمیں اشارہ مل گیا تھا کہ اس موقع پر مہمانوں کی تعداد کم سے کم ہونی چاہیے۔ صاحبو! کچھ نہ پوچھو میری اور میرے گھر والوں کی خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا..... سب لوگ اس تصور سے سرشار تھے کہ ہمارے گھر میں کعبۃ اللہ کے امام وخطیب تشریف لا رہے ہیں۔ دنیا بھر کے لوگ جن کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے اور ان کے خطبات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اللہ اکبر! کسی گھر کے لیے اس سے بڑھ کر عزت وشرف کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ گھر کی خواتین نے فیصلہ سنایا کہ کھانا بازار سے نہیں آئے گا، وہ خود کھانا پکائیں گی۔ شیخ صالح بن حمید ﷾ کوئی عام شخصیت نہیں یہ سعودی عرب کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے۔ بطور امام کعبہ ان کی تقرری 1983ء میں ہوئی۔ الحمدللہ! اس وقت سے اب تک وہ امام کعبہ چلے آ رہے ہیں۔

سعودی عرب کا قانون ساز اور سب سے زیادہ باوقار ادارہ مجلس شوریٰ ہے۔ وہ سات سال تک اس کے چیرمین رہے۔ اسے سعودی عرب کی

سینٹ یا پارلیمنٹ کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ رئیس مجلس شوریٰ تھے تو مجھے متعدد بار ان کے دفتر میں ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

شیخ صالح بن حمید ﷾ سے ملاقاتوں کا سلسلہ بڑا پرانا ہے۔ سب سے پہلی ملاقات حرم مکی میں کوئی پندرہ سال قبل ہوئی تھی۔ اس وقت والدہ صاحبہ دور سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ عصر کی نماز پڑھا کر باب الملک عبدالعزیز کی طرف جا رہے تھے کہ میں نے ان کو سیڑھیوں پر روک لیا۔ سکیورٹی کے ارکان کو انھوں نے اشارہ کیا وہ رک گئے۔ ایک دو منٹ بات چیت ہوئی۔ دارالسلام نے ان کے والد کی کتاب کا انگلش میں ترجمہ کر کے اسے شائع کیا تھا، انھوں نے بہت دعائیں دیں۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا تھا: ''عبدالمالک تینوں ستے خیراں نیں'' کیونکہ امام کعبہ نے تمھارے لیے دعا کی ہے۔

وہ حرمین الشریفین پریزیڈنسی کے چیرمین بھی تھے۔ ان کے دفتر میں دس جلدوں پر مشتمل انگلش میں مترجم تفسیر ابن کثیر پیش کی تو بڑی دیر تک کھڑے ہو کر اسے دیکھتے اور پڑھتے رہے۔ وہ نہایت زیرک آدمی ہیں۔ بلکہ میں ان کو سعودی عرب کی ٹاپ ٹین شخصیات میں شمار کرتا ہوں۔ وہ ایک بہت بڑے باپ شیخ عبداللہ بن حمید کے بیٹے ہیں۔ جو اپنے عہد میں سعودی عرب کے رئیس القضاۃ تھے۔ اس عہدے کو پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے کے برابر سمجھ لیں۔ ان کے پاس بلاشبہ دسیوں عہدے رہے ہیں۔ وہ نہ صرف بیت اللہ شریف میں نماز فجر پڑھاتے اور خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں بلکہ بیت اللہ میں مفتی کے منصب پر بھی فائز ہیں۔ وہ حرم شریف میں درس دیتے اور لوگوں کو فتویٰ بھی دیتے ہیں۔ ان کا ایک خوبصورت گھر مکہ مکرمہ میں بھی ہے۔ ریاض میں ان کا گھر بہت بڑا اور خوبصورت ہے۔ مجھے دونوں گھروں میں پروفیسر ساجد میر صاحب کے ہمراہ ان کی ضیافت سے مستفید ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں پھر کہوں گا کہ وہ جتنے بڑے آدمی ہیں اتنے زیادہ متواضع بھی ہیں۔ وہ کتنی ہی کتابوں کے مؤلف ہیں، انھوں نے اپنی کتابوں کا سیٹ راقم کو مرحمت فرمایا تھا۔ خود بھی ریسرچ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ ان سے درخواست کی کہ میں اس جگہ کو دیکھنا چاہتا ہوں جہاں بیٹھ کر آپ ریسرچ کا کام کرتے ہیں۔ فرمانے لگے: میں گھر کے اندر اکیلا بیٹھ کر پڑھتا اور لکھتا ہوں۔ وہ سعودی عرب کی مجلس القضاء الأعلٰی کے رئیس بھی رہے ہیں۔ اس محکمہ کو آپ سعودی عرب کی سپریم کورٹ کہہ سکتے ہیں۔ وہ دیوان ملکی میں شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز آل سعود ﷾ کے مشیر خاص بھی ہیں اور ریاض کی ایک یونیورسٹی میں وزٹنگ پروفیسر بھی ہیں۔

قارئین کرام کو اوپر دی گئی ذمہ داریوں کی تفصیل پڑھ کر اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ کتنی بڑی اہم شخصیت ہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ کی دیگر بے شمار صفات میں ایک صفت اور خوبی یہ بھی تھی کہ وہ عام صحابہ کے گھروں میں بھی تشریف لے جاتے۔ ان کے ہاں بیٹھ کر کھجوریں کھاتے، کھانا بھی تناول فرماتے، کنویں کا ٹھنڈا پانی پیتے اور اہل خانہ کے لیے برکت کی دعا فرماتے۔ فرض نماز کا وقت نہ ہوتا تو آپ ﷺ اہل خانہ سے کہہ کر ان کے ہاں دو نفل بھی ادا فرماتے۔ یہ لوگوں سے ملنا ملانا بھی اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ آپ تو یہودی بچے کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس بچے کو اسلام کی دعوت دی۔ بچے نے اجازت طلب نگاہوں سے والد کی طرف دیکھا، جس نے اسے کہا: ابوالقاسم کی بات مان لو، اور اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ فوراً ہی اس کی روح پرواز کر گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری وجہ سے اس بچے کو جہنم کی آگ سے بچا لیا ہے۔'' (صحيح البخاري: 1356)

شیخ محمد بن عبداللہ المعتاز دارالسلام کے مُشرِف ہیں۔ میرے ان سے گزشتہ بیس سال سے بھائیوں جیسے تعلقات ہیں۔ کہنے لگے: اگر شیخ صالح تمھارے گھر آ رہے ہیں تو کھانے کے لیے پاکستانی ڈشیں ہی ان کے سامنے رکھنا۔ سعودی اور لبنانی کھانے تو وہ ہر وقت کھاتے رہتے ہیں۔ برادر عزیز محمد عارف بھٹی بھی ہمارے ساتھ اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے بھی اور میں نے بھی اس بات سے اتفاق کیا کہ امام صاحب کو پاکستانی کھانے ہی پیش کیے جائیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میری چھوٹی بیٹی کہنے لگی: ابو جان! ہمارے گھر میں امام صاحب تشریف لا رہے ہیں تو میں خود بڑے شوق سے کچن میں اپنے ہاتھوں سارے کام کروں گی۔ کہہ رہی تھی: ابو جان! ہم سارا کھانا خود بنائیں گے تو ہمیں اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب ملے گا، امام صاحب ہمیں خوش ہو کر دعائیں دیں گے۔ میں نے کہا: جی بیٹا! ضرور ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔

مہمانوں کی لسٹ کو فائنل کرنا میرے لیے آسان نہ تھا کہ کسے بلائیں اور کسے چھوڑیں۔ پروفیسر ساجد میر صاحب نے اسے آسان کر دیا۔ ہمارے گھر کے دونوں مہمان خانوں میں 24 مہمانوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ یہی طے پایا کہ اس سے زیادہ مہمان نہ بلوائے جائیں اور لسٹ بھی انھوں نے خود ہی فائنل کر دی۔ ہمارے ادارے کے سینئر آرٹسٹ شہزاد احمد نے بڑا خوبصورت خیر مقدمی بینر تیار کیا۔ باربی کیو کے لیے ہم نے ایک مقامی ریسٹورنٹ کو مکلّف کیا اور ان سے کہا کہ وہ تنور بھی لائیں گے تاکہ مہمانوں کو گرما گرم روٹی اور نان مہیا ہو سکیں۔ ہم نے مل کر اس طرح کا مینو تیار کیا اور اس بات کا اہتمام کیا کہ کھانے میں مرچ بالکل برائے نام ہو۔

قارئین کرام! اس روز واقعی ہمارا گھر چمک رہا تھا۔ گھر میں صبح ہی سے چہل پہل تھی اور تمام افراد خانہ ہشاش بشاش تھے۔ عشاء کی نماز کے فوراً بعد برادرم احسان اللہ کا فون آ گیا کہ امام صاحب گھر سے چل پڑے ہیں۔ احسان اللہ کی ڈیوٹی لگی تھی کہ وہ امام صاحب کو گھر تک لے کر آئیں گے۔ عشاء کے فوراً بعد ہی مہمانوں کی تشریف آوری شروع ہو گئی۔ مطیع الرسول صاحب اور عزیز بیٹے عبد الغفار مجاہد صبح سے انتظامات میں مصروف تھے۔ انھوں نے ریڈ کارپٹ اور پھولوں سے استقبال کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ امام صاحب تشریف لائے تو تمام مہمانوں نے گھر سے باہر ان کا استقبال کیا۔ میں نے ایک چیز نوٹ کی کہ ان کے ڈرائیور نے ہم سے کوئی دس قدم پہلے ہی گاڑی روک لی امام صاحب ہمارے گاڑی تک پہنچنے سے پہلے پہلے دروازہ کھول کر باہر نکل آئے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ بھی ان کی تواضع اور للّٰہیت تھی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کی گاڑی کا دروازہ کھولے۔ ہمارے دوست برادرم کاشف باجوہ صاحب کے ننھے سے صاحبزادے منیب کاشف نے امام صاحب کو پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ راقم الحروف نے تمام مہمانوں کا فرداً فرداً امام صاحب سے تعارف کروایا۔ معزز مہمانوں کو قہوہ اور کھجوریں پیش کی گئیں۔ ان کا اہتمام دار السلام کے سعودی ڈائریکٹر شیخ محمد المعتاز نے کیا تھا۔ وہ خصوصی طور پر قہوہ اور کھجوریں اپنے گھر سے لے کر آئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ عربی قہوہ صحیح طور پر ہمارے عرب گھروں میں ہی بنتا ہے۔ مہمان اپنی نشستوں پر تشریف فرما ہو چکے تو میں نے عرض کی: امام صاحب! آج میں بلاشبہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں کہ میرے گھر میں امام کعبہ تشریف لائے ہیں۔ یہ میری دیرینہ تمنا تھی جو اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی ہے۔ میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے گھر قدم رنجہ فرما کر مجھے عزت اور شرف بخشا۔

اس موقع پر پروفیسر ساجد میر صاحب نے بڑی خوبصورت گفتگو فرمائی۔ انھوں نے امام صاحب کی علمی اور بین الاقوامی خدمات اور جمعیت اہل حدیث کے ساتھ ان کے خصوصی تعلقات کا ذکر کیا۔ ان کی علمی بصیرت اور عمدہ فکر و دانش کو خراج تحسین پیش کیا۔ سعودی عرب اور پاکستان کے باہمی تعلقات کے حوالے سے اپنے تجربات اور ان کے خیالات سے آگاہ فرمایا اور کہا کہ وہ پاکستان سے شدید محبت کرتے ہیں۔ انھوں نے آج کی دعوت قبول کرنے پر امام صاحب سے اظہار تشکر کیا۔ انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا: امام صاحب جن دنوں سعودی مجلس شوریٰ کے چیئرمین تھے انھوں نے پاکستان کا دورہ کیا تھا جسے لوگ آج بھی یاد کرتے ہیں۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے نائب امیر اور پیغام ٹی وی کی مجلس انتظامیہ کے رئیس مولانا علی محمد ابوتراب بھی تشریف فرما تھے۔ بلوچستان کے پسماندہ علاقوں میں انسانی فلاح کے بہت سے منصوبے ان کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ جامعہ دعوۃ الحق کے نام سے ایک بڑی تعلیمی یونیورسٹی بھی وہ چلا رہے ہیں جو ہماری آئندہ نسلوں کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کر رہی ہے۔ مہمان خصوصی نے ان سے بھی بہت محبت اور چاہت کا اظہار کیا اور ان کے احوال دریافت فرماتے رہے۔

امام کعبہ ڈاکٹر صالح بن حمید ﷾ نے حاضرین سے خطاب فرماتے ہوئے کہا: مجھے ایک ایسی مجلس جس میں ڈاکٹر، انجینئر، بزنس مین، علماء، مشائخ اور مختلف طبقات کے لوگ شامل ہوں اس میں شرکت کر کے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ انھوں نے بطور خاص پروفیسر ساجد میر صاحب کا نام لے کر کہا کہ ان کی موجودگی کی وجہ سے میں یہاں چلا آیا۔ اس قسم کے پروگرام مختلف اقوام کو آپس میں قریب لانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ پاکستانی قوم ایک عظیم اور محنتی قوم ہے۔ مجھے پاکستانی شخصیات کے ساتھ سعودی عرب، پاکستان، انگلینڈ اور امریکا میں بھی کام کرنے اور میل ملاقات کرنے کا موقع ملا ہے۔ **باقی صفحہ 74 پر**

محمد نعمان فاروقی

قسط نمبر: 4



فرعونوں کی ہلاکت کے بعد

18	احکام میں تبدیلی	﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ ''چنانچہ ان ظالموں نے اس بات کو (ایک دوسری) بات سے بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی۔''	(الأعراف 162:7)	بعض مسالک کی طرف سے احکامات کو بدل کر ان کی شکل ہی مسخ کردی گئی ہے۔ اس قدر تبدیلیاں کی گئی ہیں کہ احکامات کو اپنی اصلی شکل میں دیکھنا ہی دشوار ہو چکا ہے۔
19	احکام ماننے میں من مانی	﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ ''کیا پھر جب آیا تمھارے پاس کوئی بھی رسول وہ چیز لے کر جسے تمھارے نفس نہیں چاہتے تھے تو ایک فریق کو تم نے جھٹلا دیا اور ایک فریق کو قتل کردیا۔'' ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ﴾ ''وہ نہیں جانتے کتاب کو مگر خواہشات۔''	(البقرة 87:2) (البقرة 78:2)	جو لوگ بظاہر دینی احکام کو مان رہے ہوتے ہیں ان کی اکثریت بھی ان احکام کو تسلیم کرتی ہے جن کو ان کے دل چاہتے ہیں۔ اور عمل کرنے میں عموماً مخالف فریق کو سامنے رکھا جاتا ہے جو مسلکِ مخالف نے کرنا ہے وہ نہیں کرنا اور جو انھوں نے نہیں کرنا وہ کرنا ہے۔ اور عموماً اختلافی مسائل کو نمایاں کرکے اپنایا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی اہم حکم کو معمولی انداز سے اور عام حکم کو بہت اہمیت دے کر ادا کیا جاتا ہے۔ یعنی اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے مذہبی تعلیم کا بھرپور سہارا لیا جاتا ہے۔ جسے ہوا پرستی بھی کہا جاسکتا ہے۔
20	احکام میں تاویلات	﴿وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ﴾ ''اور ہم نے ان (یہود) سے کہا کہ ہفتے کے دن میں (مچھلیاں پکڑ کر) زیادتی نہ کرو۔'' یہود نے مختلف حیلے بہانے کرکے مچھلیاں ہفتے کو روک لیں اور اتوار کو پکڑنا شروع کردیں۔	(النساء 154:4)	ہمارے ہاں بھی احکامات کو تاویل کی بھینٹ چڑھا کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کی بیماری عام ہے۔ مثلاً زکاۃ دینے کا وقت آتا ہے تو بیوی اپنا زیور خاوند کو دے دیتی ہے تاکہ زکاۃ سے بچ جائے۔ یا پھر اہل سنت ہوتے ہوئے بھی اہل تشیع مسلک کے فارم پر کرکے دے دیے جاتے ہیں۔



21	ظلم	﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا﴾ ''چنانچہ وہ لوگ جو یہودی ہوئے ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے ہم نے حرام کردیں۔'' ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ ''اور لیکن وہ اپنے آپ پر خود ظلم کیا کرتے تھے۔''	(النساء 160:4) (التوبة 70:9)	دوسروں پر ظلم بھی دراصل اپنے پر ظلم کے مترادف ہے۔ ہم بھی ظلم و زیادتی میں بنی اسراءیل سے پیچھے نہیں۔ اکثر لوگ مظلوموں کے بجائے ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں۔
22	خودساختہ باتوں کو اللہ اور اس کے رسولوں کی طرف منسوب کرنا	﴿وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''اور انھیں ان کے دین میں اس نے دھوکے میں رکھا جو وہ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے۔'' ﴿يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''وہ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''	(اٰل عمران 24:3) (البقرة 79:2)	بہت سے لوگ جان بوجھ کر یا جہالت کی بناپر یا دین کی طرف راغب کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ایسی باتیں منسوب کردیتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں فرمائی ہوتیں۔
23	گمان اور خیالات کے پیچھے لگنا	﴿وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ ''اور نہیں ہیں وہ مگر گمان کرتے۔''	(البقرة 78:2)	مسلمانوں کی اکثریت قرآن وسنت کے حقیقی اور یقینی علوم کے بجائے خیالات اور گمان کے پیچھے چلتی ہے۔
24	محض دعویداری	﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ ''(اور یہود و نصاریٰ نے کہا:) ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔'' ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ ''ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔'' ﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ ''اور وہ (بنی اسراءیل) کہتے ہیں ہمیں بخش دیا جائے گا۔''	(المائدة 18:5) (البقرة 80:2) (الأعراف 169:7)	بہت سے مسلمان بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہم نے جنت ہی میں جانا ہے۔ جنت ہمارے لیے نہیں تو کس کے لیے بنی ہے؟ ہمارا عقیدہ درست ہے عمل نہ بھی کریں تو کیا ہے؟ ہم حسین (علیہ السلام) کے اور جنت حسین (علیہ السلام) کی۔ آگ میں گئے بھی تو بالآخر جنت ہی میں جائیں گے۔ گویا جنت میں جانے کا ان سے بھی زیادہ یقین ہے جنھیں زبان نبوت سے جنت کی بشارتیں ملی تھیں۔
25	حق و باطل کی آمیزش	﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ ''تم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔''	(البقرة 42:2)	حق کو اس طرح دھندلا کردیا گیا ہے کہ حق و باطل کے درمیان فاصلہ مشکل ہوگیا ہے۔ یہ جملہ زبان زد عام ہے کہ پتہ ہی نہیں چلتا، سمجھ ہی نہیں آتی کس کی مانیں اور کس کے پیچھے چلیں۔



26	حق چھپانا	﴿وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ﴾ ''اور حق کو نہ چھپاؤ۔''	(البقرة 42:2)	ہمارے ہاں حق کو متعدد وجوہات کی بنیاد پر چھپایا جاتا ہے: حق کے اظہار سے خود اپنا پردہ چاک ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ حکومت، عوام، سماج کے خوف سے بھی حق چھپالیا جاتا ہے۔ اسی طرح حق اپنے موقف کے خلاف جارہا ہو تو بھی چھپالیا جاتا ہے۔ غرضیکہ حق چھپانا ہمارے ہاں ایک عام سا مرض ہے۔
27	دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت	﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو؟''	(البقرة 44:2)	مسلمانوں میں یہ مرض بھی بڑا عام ہے۔ بعض لوگ اس آیت کی زد سے بچنے کے لیے دوسروں کو اچھائی کا حکم دینا ہی چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ آیت تو اس بات پر ابھار رہی ہے کہ خود بھی عمل کیا جائے اور دوسروں کو بھی ترغیب دی جائے۔ یہ آیت دوسروں کو نصیحت نہ کرنے کے لیے نہیں اتری۔
28	دلوں کی سختی	﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ ''پھر تمھارے دل سخت ہوگئے۔'' ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ ''اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کردیا۔''	(البقرة 74:2) (المائدة 13:5)	وعظ و نصیحت بے اثر ہوجائے، کوئی دلیل اپیل نہ کرے، نیکی کی طرف رجحان نہ ہو، آخرت کی طرف دھیان نہ ہو تو یہی تو دلوں کی سختی ہے۔ ہر شخص جان سکتا ہے کہ اس کا دل کس قدر سخت ہے۔
29	دلوں پر غلاف، آنکھوں کے اندھے اور کانوں کے بہرے	﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ ''اور انھوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔'' ﴿فَعَمُوْا وَصَمُّوْا﴾ ''تو وہ اندھے اور بہرے ہوگئے۔''	(البقرة 88:2) (المائدة 71:5)	بہت سے مسلمانوں کے دلوں پر بھی غلاف ہیں۔ بعض پر باریک اور بعض پر موٹے جو اترتے ہی نہیں اور حق بات کی سمجھ ہی نہیں آتی۔ اور خود کہتے ہیں کہ ہمیں تو سمجھ ہی نہیں آتی کیا کریں اور کہا جائیں۔
30	خیانت	﴿اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ ''آپ ان کے پاس ایک دینار امانت رکھیں تو وہ آپ کو ادا نہیں کریں گے مگر جب تک آپ ان (کے سر) پر کھڑے رہیں۔'' ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ''تم ان (یہود) کی خیانت پر ہمیشہ مطلع ہوتے رہو گے۔''	(اٰل عمران 75:3) (المائدة 13:5)	معاملات کسی کے سپرد کرنے کے لیے امین شخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ بڑی مشکل سے کوئی ایک آدھ شخص میسر آتا ہے۔ پھر بھی سپرد کرنے والا شخص شکوک و شبہات کا شکار رہتا ہے۔ آج کل مجموعی صورتِ حال تقریباً ایسی ہی ہے۔ امانت دار لوگ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔



غیر معروف مگر صحیح یا حسن احادیث

① دلوں کی سختی کا ایک اچھا علاج

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: «إِنْ أَرَدتَّ تَلْيِينَ قَلْبِكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِينَ، وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ» ''اگر تم اپنے دل کو نرم کرنے کی آرزو رکھتے ہو تو مسکین کو کھانا کھلایا کرو اور یتیم کے سر پر (شفقت کا) ہاتھ پھیرا کرو۔'' (مسند أحمد: 263/2)

② کام میں مہارت

فرمان نبوی ہے: «إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلًا أَنْ يُتْقِنَهُ» ''بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جب کوئی کام کرے تو خوش اسلوبی اور مہارت سے کرے۔'' (المعجم الأوسط للطبرانی:427/1)

③ جلدی ثواب اور جلدی عذاب

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ شَيْءٌ أُطِيعَ اللّٰهُ فِيهِ أَعْجَلَ ثَوَابًا مِنْ صِلَةِ الرَّحِمِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ أَعْجَلَ عِقَابًا مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ» ''اللہ کی اطاعت میں سے کوئی بھی چیز صلہ رحمی سے بڑھ کر جلدی ثواب پہنچانے کی اہلیت نہیں رکھتی اسی طرح قطع رحمی اور ظلم سے بڑھ کر جلدی سزا سے دوچار کرنے والی کوئی چیز نہیں۔'' (السلسلة الصحيحة: 669/2، حديث: 978)

④ گھروں میں ناروا سختی کا نتیجہ

سیدنا عبیداللہ بن معمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَا أُعْطِيَ أَهْلُ بَيْتٍ الرِّفْقَ إِلَّا نَفَعَهُمْ، وَلَا مَنَعُوهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ» ''جس گھرانے کو بھی نرمی کی دولت مل جائے تو یہ ان کے لیے نفع بخش ہوتی ہے اور جو گھرانہ اس سے محروم رہ جائے یہ محرومی ان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔'' (المعجم الكبير: 3/195/1 بحواله السلسلة الصحيحة: 620/2، حديث: 942)

⑤ بچوں کے نام پوچھنا!

سیدنا ابو بسرہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ابو بسرہ سے پوچھا: «مَا اسْمُ ابْنِكَ؟» ''آپ کے بیٹے کا نام کیا ہے؟'' عرض کی: عزیز۔ فرمایا: «لَا تُسَمِّهِ عَزِيزًا وَلَكِنْ سَمِّهِ عَبْدَالرَّحْمٰنِ» ''اس کا نام ''عزیز'' نہیں بلکہ عبدالرحمٰن رکھو۔'' پھر فرمایا: «إِنَّ خَيْرَ الْأَسْمَاءِ: عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَالْحَارِثُ» ''یقیناً عبداللہ، عبدالرحمٰن اور حارث بہترین نام ہیں۔'' (مسند أحمد: 178/4)

نوٹ: حارث کا مطلب کمائی کرنے والا ہے۔

⑥ عورت کا اپنی ملکیت میں سے خاوند کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: «لَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ (فِي مَالِهَا) إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا» ''کسی عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں سے کوئی عطیہ دینا جائز نہیں ہے۔'' (سنن النسائی، حدیث: 3547,3546، وسنن البیهقی: 60/6 دیکھیے: السلسلة الصحيحة، حديث: 825)



فحاشی کا سیلاب

اور اس کے دینی اور دنیوی نقصانات

قسط: 1

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق

خطبہ مسنونہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

اللہ رب العزت نے معصیت اور گناہ کو حرام قرار دیا ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ ''کہہ دیجیے! میرے پروردگار نے فواحش کو حرام کردیا ہے۔ ان فواحش کو جو ظاہر ہوں اور ان فواحش کو جو باطن ہوں، چھپی ہوئی ہوں۔'' (الأعراف 33:7) فواحش جمع ہے فاحشۃ کی۔ اور فاحشہ گناہ کو بولتے ہیں۔ منکر، ایک ایسی چیز جو شریعت میں منکر ہے۔ منکر معروف کی ضد ہے۔ معروف نیکی ہے جس کو شریعت جانتی ہے۔ اور منکر گناہ ہے جس کو شریعت نہیں پہچانتی کیونکہ وہ شرعی امر نہیں ہے۔ وہ گناہ ہے۔ کسی گناہ کا ارتکاب درحقیقت اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنے اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔ صحیح مسلم میں نبی علیہ السلام کی حدیث ہے: «إِنَّ اللّٰهَ يَغَارُ وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ وَغَيْرَةُاللّٰهِ أَنْ يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ عَلَيْهِ» ''مسلمان کو غیرت آتی ہے۔ بہت سے کام ایسے ہیں اگر آپ کریں تو اپنے بھائی کی غیرت کو آپ ابھاریں گے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے۔ بہت سے کام ایسے ہیں جو اگر آپ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکاریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنے کے بہت سے مظاہر ہیں۔ ان میں سے ایک مظہر نبی علیہ السلام نے ذکر کیا: «وَغَيْرَةُاللّٰهِ أَنْ يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ عَلَيْهِ» ''بندہ اس وقت اپنے پروردگار کی غیرت کو للکارتا ہے جب وہ ایسا کام کرے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔'' (صحیح مسلم: 2761) یعنی اللہ رب العزت کے حرام کردہ کسی بھی امر کا، کسی بھی کام کا ارتکاب کرے گا۔ درحقیقت وہ اپنے پروردگار کی غیرت کو للکارے گا۔

قرآن کا بیان آپ نے سن لیا ہے کہ فواحش دو طرح کی ہیں: ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ﴾ جو ظاہر اور باطن ہوں۔ «مَا ظَهَرَ أَيْ مَا ظَهَرَ عَلَى النَّاسِ» جو لوگوں کے سامنے کی جائیں۔ آپ گناہ کریں لوگ دیکھ رہے ہیں۔ اور ایک ما بطن ہے۔ «مَا خَفِيَ عَلَى النَّاسِ» جو آپ چھپ کر کریں لوگ نہیں دیکھ رہے۔ یہ دونوں معصیتیں حرام ہیں۔ اپنی اپنی جگہ دونوں کا وبال بڑا خطرناک ہے۔ حدیثیں موجود ہیں۔ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے: «كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ» ''میری ساری امت بخشش کی مستحق ہے۔'' امت سے مراد امت اجابت۔ جو کلمہ پڑھ چکی ہے اور اس توحید کے دائرے میں داخل ہو چکی ہے، جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار اور اعتراف کر چکی ہے۔ اب آگے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ تو ساری امت معافی کی مستحق ہے۔ «إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ» سوائے ان لوگوں کے جو گناہ کرتے ہیں لوگوں کے سامنے دکھا کر، جہر بالمعصیۃ۔ جو گناہوں اور نافرمانیوں میں اعلان، جہر اور تشہیر کا پہلو اختیار کرتے ہیں۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ اس معصیت میں اس کی شہرت ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ معافی کے قابل نہیں ہیں۔ اور گناہ برسرعام کرنا اس کی ایک صورت تو واضح ہوگئی کہ لوگوں کے سامنے گناہ کیا جارہا ہے۔ اور حکم پتہ چل گیا کہ یہ لوگ ناقابل معافی ہیں۔ یعنی گناہ کرنا ویسے اللہ تعالیٰ کی



غیرت کو للکارنا ہے اور یہ بندہ کتنا بھیانک مجرم ہے جو لوگوں کو دکھا کر گناہ کر رہا ہے۔ لوگوں کے سامنے گناہ کر رہا ہے۔ یہ معصیت اور اس کا وبال کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اور یہ بندے معافی کے مستحق نہیں ہیں۔

اسی حدیث میں نبی علیہ السلام نے معصیت کے جہر، معصیت کے اعلان اور تشہیر کی ایک شکل اور بیان کی ہے۔ معصیت کو کھلم کھلا کرنا اور علی الاعلان کرنا اس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ بندہ گناہ چھپ کر کرتا ہے۔ «وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ» رات کی تاریکی میں چھپ کر گناہ کیے۔ اب رات بھر وہ سو رہا ہے۔ رات اس نے گزاری اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رات بھر اس پر پردہ ڈالے رکھتا ہے۔ اس گناہ پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ لیکن «وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْهُ» اور یہ بدبخت صبح اٹھتا ہے اور اللہ کے پردے کو خود ہی پھاڑتا اور فاش کرتا ہے۔ جو اللہ نے پردہ ڈالا تھا، مہربانی کی تھی، اس نے چھپ کر گناہ کیا تھا اللہ نے پردہ ڈال دیا۔ صبح اٹھا اور خود ہی اس پردے کو پھاڑتا ہے۔ اس راز کو افشا کرتا ہے۔ (صحيح البخاري: 6069) یعنی کتنا بڑا مجرم ہے؟ اپنی معصیت کی تشہیر کر رہا ہے۔ یہ بھی مجاہرین ہیں۔ جہر کے ساتھ معصیت کرنے والے۔ تو اس کا معنی معصیت کا اظہار، معصیت کا اعلان، لوگوں کو دکھا کر گناہ کرنا یا چھپ کر کیے ہوئے گناہ کی تشہیر کرنا یہ سب مجاہرین ہیں اور پیغمبر علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ بخشش کے مستحق نہیں ہیں۔ ان کو توبہ کرنی پڑے گی۔ اگر اپنی عافیت چاہتے ہیں اور اپنی عاقبت کی بہتری اور سلامتی چاہتے ہیں تو ان کو توبہ کرنی پڑے گی۔

اسی طرح جو معصیت یا فاحشہ ما بطن ہے۔ جو آپ چھپ کر کرتے ہیں اس کا وبال بھی بڑا ہیبت ناک ہے، بڑا لرزہ خیز ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے: «لَأَعْلَمَنَّ أَقْوَاماً مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالِ جِبَالِ تِهَامَةَ» ''قیامت کے روز میری امت کے کچھ لوگ آئیں گے نیکیاں لے کر۔ ان نیکیوں کا مجسمہ تہامہ پہاڑوں کے برابر ہوگا۔ اتنی ثقیل نیکیاں، اتنی وزنی نیکیاں، اتنی بھاری نیکیاں اگر میزان حسنات میں ڈال دی جائیں تو اس کا پلڑا کتنا بھاری ہوگا؟ اتنی ثقیل نیکیاں لائیں گے لیکن «فَيَجْعَلُهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هَبَاءً مَنْثُوراً» اللہ رب العزت ان نیکیوں کو ہباءً منثورا کر دے گا۔ ذرے بنا کر بکھیر دے گا۔ جن کا وزن اور ثقل پہاڑوں جیسا تھا وہ ذرے بن کر بکھر چکی ہیں۔ بالکل بے قیمت ہوگئی ہیں، بے فائدہ ہوگئی ہیں۔ سب نیکیاں برباد ہوگئی ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ ہماری ہی بولی بولنے والے لیکن معاملہ یہ تھا: «إِذَا خَلَوا بِمَحَارِمِ اللّٰهِ انْتَهَكُوهَا» جب خلوت میں گناہ ان کے سامنے آتے تو اللہ کی حدوں کو پامال کرتے۔ (سنن ابن ماجه: 4245) خلوت، لوگوں کے سامنے نہیں کرتا۔ لوگوں کے سامنے ان کا روپ بڑا پارسائی کا روپ، تقویٰ اور پرہیزگاری کا۔ ہاں خلوت میں ان کا تقویٰ رخصت ہوجاتا ہے اور اللہ کی حرمت کو پامال کرتے ہیں۔ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس کا معنی گناہ خواہ علی الاعلان ہو، خواہ خلوت کا ہو دونوں کا انجام بھیانک ہے۔ کیوں؟ علی الاعلان گناہ، یہ معصیت کی تشہیر، معصیت کا اعلان، معصیت کا جہر ویسے ہی معصیت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارتا ہے اور یہ برسرعام کھلے بندوں للکار رہا ہے۔ اس کا وبال تو کئی گنا بڑھ جائے گا۔ اور چھپ کر گناہ کرنا اور چھپ کر گناہوں کا ارتکاب، ایسے شخص کی طرف سے جس کا ظاہر پرہیزگاری پر قائم ہے، لوگوں کے سامنے بڑا متقی ہے، پرہیزگار ہے۔ یہ کتنا بڑا مجرم ہے؟ لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا ہے؟ پرہیزگاری۔ اور خلوت میں جہاں لوگ نہیں دیکھ رہے اللہ دیکھ رہا ہے تو اللہ کو دکھانے کے لیے کیا ہے؟ باغیانہ رویہ، معصیتیں اور گناہ۔ لوگوں کے لیے یہ ہے اور اللہ کے لیے یہ ہے۔ لوگوں کو دکھانے کا اچھا پہلو اور اپنے خالق اور مالک کے لیے یہ پہلو کہ خلوت میں چن چن کر گناہ کرتے ہو۔ یہ گناہ جیسے بھی ہوں، کھلے عام ہوں یا چھپ کر کیے جائیں یہ خالق و مالک کی ناراضی کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنے کے مترادف ہیں۔ اور انتہائی بھیانک ہیں۔ برا انجام اور برا نتیجہ ان سے برآمد ہوگا۔ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے تقویٰ، ورع اور پرہیزگاری کی زندگی، اپنے آپ کو معصیتوں سے بچا کر نکل جانا۔ بالخصوص جہر بالمعصیۃ، یہ فحاشی اور برسرعام گناہوں کا ارتکاب یہ بہت بڑا مفسدہ ہے۔ گناہوں کی تشہیر بھی ایک طرح سے گناہوں کی دعوت ہے، اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنا کھلے بندوں، کھلے عام۔ اور پھر یہ معاملہ گناہوں کی دعوت ہے جس کا



انجام انتہائی بھیانک ہے۔ انتہائی خطرناک ہے۔تو ہمیں خلوت یا جلوت ہر معاملے میں، ہر موقع پر اللہ رب العزت کی حدود کا احترام کرنا ہے۔ اور کسی ایسے امر کا ارتکاب نہیں کرنا جو ہمارے پروردگار کو ناراض کردے اور جو ہمارے لیے خطرناک انجام اور وبال کا باعث بن جائے۔ اس کے مقابلے میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم نبی علیہ السلام کی ہدایات پر عمل کریں جن میں ایک بڑی اہم ہدایت وہ ہے جو آپ ﷺ نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی۔ آپ سے پوچھا گیا: «مَا النَّجَاةُ؟» یارسول اللہ ﷺ! نجات کیا ہے؟ مخرج کیا ہے؟ عافیت کا راستہ کیا ہے؟ جہنم سے بچاؤ کا طریقہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے چند امور کی نشاندہی فرمائی۔ ان میں سے ایک «وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ» ''اپنے گھر کی چاردیواری کو اپنے لیے کافی سمجھ۔'' آپ کا ہر فرمان حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ اس فرمان میں بڑی حکمت ہے۔ اور آج کے دور پر یہ پوری طرح منطبق ہو رہا ہے، پوری طرح منطبق ہو رہا ہے۔ اس پر اگر ہم غور کریں کہ تم گھر کے حاکم ہو اور گھر کے راعی ہو، تمھارے اہل خانہ تمھاری رعیت ہیں۔ اپنے گھر کی چاردیواری کو کافی سمجھو۔ باہر نکلو گے، باہر عریانی، فحاشی، گناہوں کی دعوت، برسرعام گناہوں کا ارتکاب، شیطان کی شرارتیں، شیطان کے چیلے، شیطان کے چوزے اور انڈے بکھرے پڑے ہیں جو تمھارے عقیدے پر، تمھارے اخلاق پر اور تمھارے عمل پر وار کریں گے۔ اس سے بچاؤ کا سب سے اہم راستہ کیا ہے؟ «وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ» اپنے گھر کو کافی سمجھو۔(جامع الترمذي: 2406) اور گھروں میں بھی معصیتیں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ بہت سے طرق، بہت سے راستے کچھ ہم نے خود کھولے ہوئے ہیں۔ آج گھروں میں بھی برائی کی بہت سی صورتیں موجود ہیں۔ اور فحاشی وعریانی کا ایک سیلاب امڈ پڑا ہے جو خارج اور باطن میں پھیلا ہوا ہے۔ اور اس کا بہاؤ انتہائی تیز ہے۔ جس کی لہروں کی لپیٹ میں ہر شخص آرہا ہے تقریباً، «إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبِّي» اللہ کا رحم ہو، اللہ کی رحمت ہو، اللہ بچالے تو اللہ کی توفیق سے بچاؤ ممکن ہے۔

«وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ» اپنے گھر کی چاردیواری کو اپنے لیے کافی سمجھو تاکہ باہر جانے سے گریز کرنے سے باہر کی جو شرارتیں ہیں اور جو شیطان کی دعوتیں ہیں ان سے بچ سکو۔ اور گھر رہ کر حکمت یہ ہے کہ آپ اپنے گھر والوں پر توجہ دے سکو۔ ان پر تمھاری نظر ہو، «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» ''تمھیں اس بات کا ادراک ہونا چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک راعی ہے۔ اور ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ چنانچہ ایک مرد راعی ہے اپنی بیوی کا اور بچوں کا۔ اس سے سوال ہوگا، بازپرس ہوگی۔'' (صحيح البخاري: 893) تو جب تم گھروں میں بیٹھو گے۔ تو اپنی رعیت پر، یہ چاردیواری جس پر تمھاری حکومت قائم ہے اس پر تمھاری نگاہ ہوگی۔ تم سے ان کے بارے میں سوال ہوگا، بازپرس ہوگی۔ «وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ» اس کا کتنا اہم فائدہ ہے۔ ان پر توجہ ہوگی۔ جب بچوں کے ہاتھوں میں موبائل ہیں اور جب تم نے خود ہی گھروں میں اخبارات کے راستے کھولے ہیں کہ تازہ خبریں ہم تک پہنچیں گی مگر اس بات سے ہم غافل ہیں کہ اخباروں کے دامن میں اور کیا کچھ ہے۔ انتہائی بدتمیزیاں، بدتہذیبیاں اور انتہائی خطرناک دعوتیں اور سازشیں ان اخبارات کے دامن میں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات پڑھ کر حیرت بھی ہوتی ہے، ہنسی بھی آتی ہے، مثلاً: اخباروں پر ہیڈنگ لگی: کن فنکاروں نے عید کیسے منائی؟ کتنی بھیانک اور کتنی احمقانہ باتیں ہیں۔ فنکار رمضان کیسے گزارتے ہیں؟ فنکار عید کیسے مناتے ہیں؟ یہ قوم کے مجرم، فحاشی پھیلانے والے گویے اور ہم ان کو اپنے بچوں کے لیے مثال بنائیں، کہ ان کی عیدیں کیسے گزرتی ہیں؟ یعنی یہ خبریں ہم پڑھیں، ہمارے بچے پڑھیں اور اوپر انتہائی حیاسوز تصویریں ہوتی ہیں کہ پڑھو ان کو، آئیڈیل بناؤ، نمونہ بناؤ۔ ان کا رمضان کیسے گزرتا ہے؟ ان کی عیدیں کیسے گزرتی ہیں؟ ان کی قربانی کیسے گزرتی ہے؟ تو یہ راستے ہم نے خود کھولے ہیں۔ یہ بھی ایک دعوت ہے فحاشی وعریانی اور معصیت کی۔ ایسے مجلّات گھروں میں کیوں داخل ہوتے ہیں؟ اسلامی لٹریچر، صحیح بخاری، صحیح مسلم، قرآن پاک کی تفسیر، نبی علیہ السلام کی احادیث کا مجموعہ، بلوغ المرام ترجمے کے ساتھ۔ حجت تو اللہ کی پوری ہوچکی ہے۔ پوری شریعت اگرچہ عربی میں ہے مگر اردو ترجمہ ہوکر آچکی ہے۔ بچوں کے ہاتھ میں وہ ہو۔ جب بچے خفیہ طور



پر اپنے موبائل سے کھیلتے ہیں جن میں الف سے یاء تک ہر برائی موجود ہے۔ ان پر توجہ نہیں دی جائے گی تو یہ وہ چیزیں ہیں جو ہم نے خود پیدا کی ہوئی ہیں۔ اپنے گھروں میں خود داخل کی ہیں اس میڈیا کے ذریعے۔ میڈیا خود بڑا ظالم ہے۔ بلکہ شیطان کا کارندہ ہے۔ اور اس فیشن کو، بے حیائی کو فروغ دینے والا ہے۔ اس کی تو چاہت ہے کہ خبریں چن چن کر لائے۔ وہ تو فخر کرتے ہیں فلاں خبر ہم نے پہلے نشر کی۔ یہ ہمیں طرۂ امتیاز حاصل ہے۔ کشمیر کا زلزلہ سب سے پہلے ہم نے بیان کیا۔ فلاں کی موت سب سے پہلے ہم نے بیان کی۔ فلاں حادثہ، اس کی خبر سب سے پہلے ہم نے دی۔ ان ساری نحوستوں کا منبع میڈیا ہے۔ تو بذات خود یہ شیطان کے کارندے ہیں۔ کہیں واقعہ ہو جائے، مثلاً: کسی کی عزت کو روندا گیا۔ مجھے بتائیں اس کو میڈیا پر دینے کا کیا مقصد؟ کیا میڈیا قوم کا نگہبان اور محافظ ہے؟ امیر المومنین ہے کہ ان خبروں کا وہ تعاقب کرے، تتبع کرے۔ ایسی خبروں کو تلاش کرے۔ یا تو کوئی شرعی نتیجہ ہو۔ میڈیا کو ان کو سزا دینے کا اختیار دیا گیا؟ ان کو تنبیہ کرنے کا اختیار دیا گیا جو اس کو آپ نشر کر رہے ہیں؟ لیکن پھر ان کا مکمل انٹرویو، کیا طریقہ واردات ہے؟ کس طرح گھر میں داخل ہوئے؟ یہ بھی برائی کو فروغ دینے کا طریقہ ہے۔ اور میڈیا کا کردار ایک ایسا کردار ہے جو کسی اعتبار سے شریعت کا پسندیدہ نہیں ہے۔

ستر مومن کا حکم کہاں چسپاں ہوگا؟ ایک مومن سے ایک معصیت ہوگئی اس پر پردہ ڈال دو۔ اس کے عیب کو چھپانا ہے۔ اور سب سے زیادہ ان عیوب کا کشف کرنے والا میڈیا ہے۔ ایک عیب، ایک گناہ کسی سے سرزد ہو جائے اور میڈیا اس کے درپے ہو جائے۔ ملک کے کونے کونے میں خبر پہنچ جائے۔ ستر مومن! «مَنْ سَتَرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ: سَتَرَاللّٰهُ عَلَيهِ يَومَ الْقِيَامَةِ» ''جو اپنے کسی مسلمان بھائی پر پردہ ڈال دے اللہ قیامت کے روز اس کے عیب پر پردہ ڈال دے گا۔'' (مسند أحمد: 522/2) «مَنْ سَتَرَ عَلَى اَخِيهِ عَورَةً فَكَاَنَّمَا أَحْيَا مَوْؤُدَةً» ''جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی کسی غلطی پر پردہ ڈال دے اللہ اتنا خوش ہوتا ہے کہ اس شخص نے پردہ ڈال کر گویا جاہلیت کے دور کی زندہ درگور لڑکی کو قبر سے نکال کر زندہ کر دیا۔'' (شعب الإيمان: 106/7) جس بچی کو زندہ قبر میں گاڑ دیا تھا اس کے ماں باپ نے، اس نے قبر کو کھود کر گویا اس بچی کو نکالا اور اس کو زندہ کر دیا۔ کتنی بڑی یہ خوشی کی خبر ہوگی۔ فرمایا: اپنے کسی بھائی کی پردہ پوشی پر اللہ اتنا خوش ہوتا ہے، اتنا راضی ہوتا ہے۔ تو یہ سب معصیتوں کو دعوت دینے والی باتیں ہیں۔ اگر ہمارے گھر میں یہ میڈیا ہوگا، ہمارے گھر میں یہ مجلّات ہوں گے، ہمارے گھر میں موبائل ہوں گے اور ان کی نگرانی بھی نہ ہو، ہمارا وقت باہر گزرتا ہو تو بھائی یہ توجہ کون دے گا؟ «وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ» پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ نجات کیا ہے؟ تو آپ نے نجات کا راستہ بیان کیا۔ یہ نجات ہے کہ اپنے گھر کی چار دیواری کو اپنے لیے کافی سمجھو۔ «وَابْكِ عَلٰى خَطِيئَتِكَ» ''اور کوئی گناہ ہو جائے اس پر رونے بیٹھ جاؤ، رویا کرو اس پر۔ (جامع الترمذي: 2406) یعنی یہ تعلق ہو گناہ سے۔ گناہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کو للکارنے کے مترادف ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: مجھے غیرت آتی ہے۔ اور اللہ کو بھی غیرت آتی ہے۔ بلکہ ایک چھوٹا سا قصہ رونما ہوا۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر اپنے گھر میں داخل ہوں اور میرے گھر میں کوئی اجنبی موجود ہو، میرے گھر میں کوئی اجنبی موجود ہو تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا تلوار کی دھار کے ساتھ۔ «غَيْرَ مُصْفَحٍ» چپٹی تلوار نہیں ماروں گا بلکہ تلوار کی دھار اس کے گلے پر پھیر کر اس کا گلا کاٹ دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''ذرا سعد کی غیرت دیکھو۔'' «وَاللّٰهِ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ» اللہ کی قسم! میں سعد سے بڑا باغیرت ہوں۔ «وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي» اللہ تعالیٰ مجھ سے بڑا باغیرت ہے۔ «وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ» تبھی تو اللہ نے فواحش کو حرام کر دیا، خواہ وہ فواحش ظاہری ہوں یا باطنی ہوں۔ کھلے عام ہوں یا چھپ کر کی جائیں۔ اللہ نے ان کو حرام کر دیا ہے۔ (صحيح البخاري: 7416، و صحيح مسلم: 1499)

میرے بھائیو! فواحش کے آج بہت سے مظاہر ہیں۔ بازاروں میں یہ فیشن ایبل عورتیں، یہ فحاشی و عریانی اور یہ سب کچھ ہونا تھا کیونکہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے: «صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِي لَمْ أَرَهُمَا» ''میں نے اپنی امت کے دو طرح کے افراد کو آج تک، ابھی تک نہیں دیکھا۔

(بقیہ: صفحہ 63 پر)



محنت کی عظمت

محنت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں!

عمران صارم

زندگی مسلسل عمل اور پیہم کوشش کا نام ہے۔ فرد، معاشرے اور اقوام کے لیے عمل کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ انسان ترقی کی جن منازل پر پہنچا ہے یا مزید منزلیں طے کر رہا ہے، اس کے پیچھے عمل اور محنت کی قوت کارفرما ہے۔ اخلاصِ عمل کے بغیر یہ عروج خواب و خیال سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

محنت و عمل کی اسی اہمیت کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے ایمانیات کے بعد، محنت و جفاکشی ہی کو سب سے زیادہ ترجیح دی ہے۔ اس کا اظہار ان کثیر آیات و احادیث سے ہوتا ہے جن میں ایمان اور عمل کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ عمل جہاں اخروی فوز و فلاح کے لیے ضروری ہے وہاں دنیاوی زندگی کی کامیابیاں بھی اسی سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى﴾ ''انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔'' (النجم 39:53) ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَابْتَغِ فِيْمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَاتَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ''اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کا گھر بھی تلاش کیجیے اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھولیے۔'' (القصص 77:28)

یہی وجہ ہے کہ حالتِ احرام میں حج جیسے عظیم عمل کے ساتھ ساتھ دنیاوی منفعت کے لیے سرگرم رہنے کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ جمعہ میں نماز جمعہ کے بعد طلبِ معاش کے لیے نکلنے کا اباحتی حکم ارشاد فرمایا اور طلبِ معاش کو ''اللہ کا فضل'' قرار دیا: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ ''پھر جب نماز ادا ہوجائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' (الجمعة 10:62) مزید برآں اس فضل کی تلاش میں نکلنے والوں کا ذکر اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے ساتھ کیا اور فرمایا: ﴿وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور کتنے زمین میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے پھریں گے، اور کتنے اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔'' (المزمل 20:73)

اسلام نے ''توکل'' کے نام پر ہاتھ پیر جوڑ کر بیٹھ رہنے اور حصولِ رزق حلال کے لیے سعی و جدوجہد نہ کرنے کو بہت معیوب سمجھا ہے اور حرکت و عمل اور کوشش و محنت پر بڑا زور دیا ہے۔ قرآن مجید میں بیان کردہ ولادت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پڑھیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سیدہ مریم علیہا السلام حاملہ ہوئیں اور ان کے بطن میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سانس لینے لگے تو وہ بستی سے دور چلی گئیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا: ﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ ''اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرادے گا۔'' (مریم 25:19) اس حکم سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ طلب رزق کے لیے عمل اور محنت کے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کھجوریں خود بخود ان کے سامنے آجاتیں اور انھیں تنے کو ہلانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے توکل کے ساتھ اسباب اختیار کرنے کی اہمیت واضح کی اور سیدہ مریم علیہا السلام سے فرمایا کہ رزق تو تمھیں ملے گا مگر اس کے لیے بطور سبب اس درخت کو ہلانا بھی پڑے گا۔



اس بات کی مزید وضاحت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب اس قول سے ہوجاتی ہے جو انھوں نے روزی کی تلاش میں نکلنے کے بجائے توکل کے نام پر مسجد ہی میں بیٹھے رہنے والے ایک گروہ سے کہا تھا کہ ''تم میں سے کوئی بھی طلب رزق سے پیچھے ہٹ کر نہ بیٹھ جائے، اور اللہ سے دعا کرتا رہے کہ اے اللہ! مجھے رزق دے، حالانکہ اسے علم ہے کہ آسمان سے سونے چاندی کی بارش نہیں ہوتی، بلکہ اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے وسیلے سے رزق دیتا ہے۔'' اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے سورۂ جمعہ کی مذکورہ آیت پڑھی، پھر انھیں اپنے درے سے اٹھایا اور مسجد سے باہر نکال دیا۔(احیاء علوم الدین:2/351)

قارئینِ کرام! محنت کو یہ عظمت اور فضیلت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نے حصول رزق کے لیے کسی بھی جائز اور حلال پیشے کو کم تر نہیں سمجھا۔ اسلام کی نظر میں اصل اہمیت محنت اور رزق حلال کی ہے نہ کہ کسی پیشے کی، تاہم اگر کوئی شخص حصول رزق کے لیے کوئی ایسا پیشہ اختیار کرتا ہے، جس میں اس کے لیے رزق کے ساتھ ساتھ دیگر لوگوں کو بھی فائدہ پہنچے تو یہ مزید فضیلت کا درجہ ہے۔ اس پہلو سے جب ہم انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے برتر اور عظیم ہستیاں تھیں، انھوں نے بھی خود اپنے ہاتھ سے کام کیا اور اس میں کوئی عار محسوس نہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جتنے بھی انبیاء گزرے ہیں سب نے بکریاں چرائی ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، میں نے بھی چند قیراطوں کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔''(صحیح البخاري: 2262)

سیدنا داؤد علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ وہ زرہیں بنایا کرتے تھے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کے متعلق صحیح مسلم میں ہے کہ وہ بڑھئی کے پیشے سے وابستہ تھے۔(صحیح مسلم: 2379) ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائیں اور تجارت کے شعبے سے بھی منسلک رہے۔

اس تناظر میں آج اگر ہم اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہماری اکثریت سفید پوشی کے کام یعنی white collar job کی متمنی ہے۔ وہ بڑھئی اور لوہار کا کام، کھیتی باڑی، چھوٹی موٹی تجارت اور محنت مزدوری کو حقیر سمجھتی ہے اور جو لوگ ایسے پیشوں سے وابستہ ہیں انھیں ہم عزت کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ محنت اور جفاکشی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جائز کام کرنا عار نہیں بلکہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ اگر اس میں کوئی عیب ہوتا تو انبیاء یہ کام نہ کرتے۔ شرم کی بات تو یہ ہے کہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں، سستی و کاہلی کا شکار ہوجائیں، اپنے کاموں کے لیے دوسروں پر انحصار کریں اور خود اتنی پستی میں گر پڑیں کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے میں بھی کوئی شرم محسوس نہ کریں۔ اس سلسلے میں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذہن نشین رکھنا چاہیے: ''اگر تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں اکٹھی کرے اور اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر فروخت کرے تو یہ اس کے لیے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ دوسرے سے سوال کرے (اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے، پھر اس کے دل میں آئے تو) وہ اسے دے دے یا انکار کردے۔'' (صحیح مسلم: 2449) انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ عزت نفس کی حفاظت کی جائے اور خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی ہتک محسوس نہ کی جائے۔ معمولی سے معمولی کام کرلینا بھی اس سے کہیں بہتر ہے کہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا ننگ گوارا کیا جائے۔

عار والی بات تو بے کار پڑے رہ کر خود کو مفلوج کرلینا اور سستی و کاہلی کا شکار ہوجانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سستی و کاہلی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔ آپ دعا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ.....» ''اے اللہ! یقیناً میں عاجز ہوجانے اور کاہلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں.....'' (صحیح البخاري: 2823) خلیفۂ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں کسی شخص کو دیکھتا ہوں اور وہ مجھے پسند آجاتا ہے، پھر جب اس کے بارے میں یہ بتایا جائے کہ اسے کوئی ہنر نہیں آتا تو وہ شخص میری نظروں سے گر جاتا ہے۔(کنزالعمال: 9858) اسی طرح جناب



عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو بندہ مجھے بیکار دکھائی دے کہ دنیا کے کسی کام میں مصروف ہو، نہ آخرت کے تو مجھے اس پر غصہ آتا ہے۔(المعجم الکبیر للطبرانی:8461)

آج جو قومیں ترقی یافتہ ہیں ان کی ترقی کا راز یہی ہے کہ انھوں نے محنت کی عظمت کا بھید سمجھ لیا ہے۔ ان کے ہاں ذمہ داریوں سے غفلت نہیں برتی جاتی۔ ان کی ملازمتیں اگر دفتری نوعیت کی بھی ہوں تو ایسا نہیں کہ وہ اپنی کرسیوں پر بوجھ بن کر بیٹھے رہیں اور اپنی ڈیوٹی کا حق ادا نہ کریں۔ بلکہ وہ اپنے فرائض بخوبی نبھاتے ہیں۔ وہ دفتر سے چھٹی لینے کی خاطر حیلے بہانے کی تلاش میں نہیں رہتے۔ وہ یہ شرط نہیں لگاتے کہ ان کی نوکری یا کام ان کے گھر یا شہر کے قریب ہی ہونا چاہیے۔ نہ وہ ایسی نوکری ڈھونڈتے ہیں جس میں محنت کم اور فراغت زیادہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اسلامی ممالک کو لامحدود وسائل عطا کیے ہیں۔ مگر ہم ان وسائل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے۔ ان وسائل کا استعمال کر کے اپنی صنعت وحرفت کو فروغ نہیں دے رہے، اپنی مصنوعات اور پیداواری قوت میں اضافہ نہیں کر رہے۔ بلکہ حالت یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی اشیاء بھی دوسرے ممالک سے درآمد کی جارہی ہیں۔ دستیاب معلومات کے مطابق پاکستان میں صرف فروری 2014ء میں درآمدات کا حجم 378,171 ملین پاکستانی روپے رہا۔ جو برآمدات سے کہیں زیادہ تھا۔ حق یہ ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ سستی و کاہلی اور بے ہمتی کو خیر باد کہہ کر ہم دستیاب وسائل سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔

اس سلسلے میں حکامِ وقت بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کریں، افرادی قوت کو اپاہج نہ بنائیں انھیں متحرک کریں اور ایسے مواقع و وسائل مہیا کریں جن میں لوگوں کو روزگار میسر آئے اور وہ اپنے اپنے ہنر میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر سکیں۔ ہنرمند افراد کو اپنے ہنر میں مزید ترقی کے لیے پورا موقع دیا جائے۔

محنت وعمل کی ترغیب کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ نے اس طرف بھی راہنمائی فرمائی ہے کہ جو کام بھی کیا جائے اسے اچھے طریقے سے کیا جائے۔ اس کام میں پورے خلوص سے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی عمل کرے تو اسے پختگی کے ساتھ سرانجام دے۔'' (الجامع الصغیر:2761) یعنی مسلمان کا ہر کام اچھا اور معیاری ہونا چاہیے۔

اس حدیث کی روشنی میں اگر ہم اپنے کاموں کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری اکثر وبیشتر اشیاء غیر معیاری ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے ملک میں اور ملک سے باہر وہ اپنی حیثیت نہیں منوا پاتیں، اس طرح ان کی مانگ ہی نہیں ہوتی۔ ان کے مقابلے میں جاپان، جرمنی، اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور اس طرح کے دیگر ممالک کی مصنوعات کو پسند کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان ملکوں میں مصنوعات کا اچھے سے اچھا معیار قائم کرنا ایک اساسی اصول ہے۔ چین میں تو وزارت صنعت نے ایک خصوصی شعبہ صرف اسی جانچ پرکھ کے لیے قائم کر رکھا ہے کہ بیرون ملک جانے والی مصنوعات کس کوالٹی کی ہیں۔ وہاں کوئی چیز مقررہ معیار سے کم تر ہوتی ہے تو اسے مسترد کر دیا جاتا ہے اور بیرون ملک بھیجنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے چودہ صدیاں پہلے ہی اپنی امت کی راہنمائی فرمادی تھی کہ انھیں اپنے ہر میدان میں پختگی لانی چاہیے۔ خواہ وہ تجارت وزراعت کا میدان ہو یا صنعت وحرفت کا۔ ہم دوسروں کو ان میدانوں میں اسی صورت میں مات دے سکتے ہیں جب ہم خود محنت اور دانائی سے اپنے جوہر دکھائیں۔

ہم مسلمانوں کو اپنی پستی اور تنزل کی حالت کو بدلنے کے لیے قرآن وسنت کی راہنمائی میں ہمت، جذبے، لگن اور شوق سے کام لینا ہوگا۔ دوسروں پر تکیہ کر لینے کی عادت کو چھوڑنا اور کشکول گدائی توڑنا ہوگا۔ بصورت دیگر ہماری ترقی کا کوئی امکان نہیں۔

یاد رکھیے۔ اس دنیا میں ہمیشہ دو طرح کے لوگ گزرے ہیں۔ ایک طرح کے لوگ وہ تھے جو کہتے تھے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے اور دوسری طرح کے لوگ وہ عالی ہمت تھے جو کہتے تھے کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں، انھی لوگوں نے صحراؤں میں پھول کھلائے اور چٹیل میدانوں میں تاج محل کھڑے کر دیے۔



ایک دن دو تقاریب

عبدالمالک مجاہد

6اپریل 2014ء کا دن میرے لیے پاکستان کے حالیہ دورے کا آخری دن تھا۔ برادرم عبدالعظیم اسد نے ہمیں وار برٹن میں ''سالانہ نونہال کانفرنس'' کے بارے میں ریاض ہی میں مطلع کر دیا تھا۔ ان کا بہت زیادہ اصرار تھا کہ آپ نے اس مرتبہ کانفرنس میں یقینی شرکت کرنی ہے۔

''نونہال کانفرنس'' گزشتہ چھ سالوں سے ہو رہی ہے۔ اس کی بہت زیادہ شہرت ہے جس میں 6 سال سے 18 سال تک کے چھوٹے بڑے بچوں کے درمیان الگ الگ مختلف مقابلے کروائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی اور ہم پاکستان کے پانچ اضلاع میں متعدد مقامات پر مساجد اور قرآن کریم کی تعلیم کے لیے 154 مدارس چلانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ الحمدللہ ان مدارس میں 5 ہزار سے زائد بچے اور بچیاں زیر تعلیم ہیں۔ اس کے علاوہ ''دارالسلام حفظ ومڈل سکول سسٹم'' کا تعلیمی سلسلہ 2003ء سے نہایت عمدگی کے ساتھ چل رہا ہے۔ پرائمری پاس بچوں کو میرٹ کی بنیاد پر انٹری ٹیسٹ کے ذریعے داخلہ دیا جاتا ہے۔ اس بات کا خوب جائزہ لیا جاتا ہے کہ کیا بچے میں اتنی استعداد ہے کہ وہ حفظ کے ساتھ ساتھ سکول کی تعلیم بھی حاصل کر سکے۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کو محفوظ کرنے کے مختلف طریقے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے جب نوعمری میں قرآن پاک اپنے سینوں میں محفوظ کر لیتے ہیں تو پھر ساری عمر انھیں قرآن کی منزل یاد رہتی ہے۔ ان بچوں کو ہم بورڈنگ سکول میں داخل کر لیتے ہیں۔ اتوار کے علاوہ ہفتہ کے چھ دن یہ بچے اساتذہ کی نگرانی میں رہتے ہیں۔ انھیں قرآن پاک حفظ کروایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انھیں مڈل تک سکول کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ الحمدللہ ہمیں اساتذہ کی مخلص اور مضبوط ٹیم میسر ہے جو بچوں کی تعلیم وتربیت اپنی اولاد کی طرح کرتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے نظام تعلیم اور ہمارے معاشرے میں دینی اداروں کا تشخص بتدریج ختم کیا جا رہا ہے۔ مدرسے کا نام سنتے ہی حقیقت سے ناآشنا ذہنوں میں روایتی مولوی، متشدد عالم اور خودکش دھماکوں کا تصور ابھر آتا ہے، حالانکہ اسلام میں تشدد اور خودکش دھماکوں کا کوئی تصور نہیں۔ ہمارے ہاں مدارس میں ایسی کسی چیز کا شائبہ تک نہیں۔ دارالسلام کے تعلیمی نیٹ ورک کے زیراہتمام سال میں ایک مرتبہ نونہال کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ جس میں مختلف حلقوں سے طلبہ شرکت کرتے ہیں۔ پورا دن جاری رہنے والا یہ پروگرام تلاوت قرآن کریم، نعت خوانی، اردو، عربی اور انگلش تقاریر کے مقابلوں پر مبنی ہوتا ہے۔ بیت بازی ہوتی ہے۔ شعروشاعری ہوتی ہے۔ مباحثہ ہوتا ہے جس میں دونوں طرف کے طلبہ اپنے اپنے دلائل دیتے ہیں۔

میں نے برادرعزیز سعادت اللہ صاحب کو بھی اس پروگرام میں شرکت کی دعوت دے ڈالی۔ یہ نہایت ذہین وفطین اور قابل اعتماد ساتھی ہیں۔ مدتوں پہلے پاکستانی سفارت خانہ جدہ میں کام کرتے رہے۔ پھر ریاض میں الجریسی گروپ میں کام کرنے لگے۔ ایک مدت پہلے پاکستان میں اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا۔ نہایت بااصول سعادت اللہ کا حلقۂ یاراں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ان کے تعلقات ابھی تک ریاض کے ساتھیوں کے ساتھ ہیں۔ ریاض کے کچھ دردمند احباب نے پاکستان میڈیکل کے شعبہ میں چیرٹی کا کام شروع کر رکھا ہے۔ چھوٹے چھوٹے ہسپتال بنائے ہیں۔ جن میں غریبوں کا مفت



علاج ہوتا ہے۔ سعادت اللہ اس سارے کام کی فی سبیل اللہ نگرانی کرتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے صاحب ثروت اور صاحب درد بھی بنایا ہے۔ لوگوں کے مسائل پر تڑپ اٹھتے ہیں اور کچھ کرنے کا سوچنے لگ جاتے ہیں۔ اللہ ہی جانتا ہے انھوں نے اپنے دوستوں کے تعاون سے کثیر تعداد میں لوگوں کو فائدہ پہنچایا ہے۔ کسی کو وقت کی پابندی سیکھنی ہو تو سعادت اللہ سے سیکھیں۔

میں نے منتظمین سے کہہ دیا تھا کہ میں ایک بجے کے بعد آؤں گا۔ لاہور سے وار برٹن کوئی گھنٹہ سوا گھنٹہ کا راستہ ہے۔ ہم جلسہ گاہ میں پہنچے تو توقع سے کہیں زیادہ طلبہ اور ان کے والدین موجود تھے۔ میرے پہنچنے سے پہلے کافی مقابلے ہو چکے تھے اور میڈیا کے حوالے سے مباحثہ ہو رہا تھا۔ ماشاء اللہ! بہت ہی علمی مباحثہ تھا۔ کون کہتا ہے کہ دینی ادارے دہشت گرد پیدا کرتے ہیں۔ میری ساری زندگی تقاریر سنتے اور کرتے گزری ہے۔ میں نے بڑے بڑے مشاہیر کی تقاریر سنی ہیں۔ مگر جو انداز، ولولہ، جوش خطابت کا مجھے نونہال کانفرنس میں نظر آیا، اس نے میرے خون کو گرما دیا۔ میں اسٹیج پر بیٹھے کتنی مرتبہ رویا کتنی مرتبہ مسکرایا۔ حافظ عبدالعظیم صاحب کہہ رہے تھے کہ مجاہد صاحب! یہ آپ کا لگایا ہوا ننھا سا پودا تھا جو اللہ کے فضل و کرم سے آج تناور درخت بن چکا ہے۔ مباحثے میں میڈیا کے مخالف اور موافق دلائل پیش کیے جا رہے تھے۔ کیا سیٹلائٹ چینلز قائم ہونے چاہئیں یا نہیں؟ میں شخصی طور پر ٹی وی کے حق میں ہوں۔ میں خود پیغام ٹی وی کے بورڈ آف ڈائریکٹر کا ممبر ہوں۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ دلائل دونوں طرف سے بڑے زوردار تھے۔

صبح کے وقت حاضری ایک ہزار کے قریب تھی۔ جب میں پہنچا تو بہت سارے طالب علم جا چکے تھے۔ طلبہ کی کثیر تعداد پنڈال میں بیٹھے تقاریر سن رہی تھی۔ والدین کے ساتھ ساتھ معززین شہر کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ سٹیج سیکرٹری بھی ایک طالب علم تھا۔ اس کی کیا باٹ دار آواز تھی۔ وہ اشعار اس خوبصورتی اور روانی سے پڑھ رہا تھا جیسے نثر پڑھتے ہیں۔ تقاریر کا سلسلہ ختم ہوا تو طلبہ نے بڑا خوبصورت ٹیبلو پیش کیا۔ یہ حدیث پر مبنی ٹیبلو تھا جس میں اللہ تعالیٰ ایک کوڑھی، گنجے اور نابینا کو آزماتے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ شلوار قمیص میں ملبوس ان طلبہ میں کتنا اعتماد ہے۔ میری اہلیہ ازراہ تفنن ان بچوں کو ''پٹاخہ'' کہہ رہی تھیں۔ اگر یہی طلبہ کسی بڑے ادارے کے طلبہ ہوتے، جو پینٹ شرٹ پہنے ہوئے، ٹائی لگائے ہوئے، بوٹ پہنے ہوئے ہوتے تو نجانے کتنے چینلز ان کی تقاریر مدتوں دکھاتے۔

مجھے یہ بات لکھتے ہوئے خوشی اور مسرت ہو رہی ہے کہ الرحمہ ٹرسٹ اور دارالسلام ٹرسٹ کے تعاون سے قائم ان مدارس میں بچوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت نہایت عمدہ انداز سے کی جا رہی ہے۔

میرے ان نونہالوں نے اپنے اس خوبصورت پروگرام میں ثابت کیا کہ پاکستانی قوم کسی سے پیچھے نہیں۔ مجھے امریکا اور برطانیہ کے سکولوں کا وزٹ کرنے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔ میں نے ان کی انگلش تقاریر سنی ہیں۔ میں نے عربی طلبہ کی تقاریر بھی سنی ہیں۔ میں مقابلہ نہیں کرنا چاہتا اور نہ یہاں کے اساتذہ کا ان کے اساتذہ سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ انھیں جو تنخواہیں اور سہولتیں ملتی ہیں وہ بڑے بڑے سکولوں سے کوئی پانچ چھ گنا کم ہیں۔ نونہال کانفرنس میری توقع سے کہیں زیادہ کامیاب تھی۔ جب میں بحیثیت رئیس الجامعہ معززین کے ساتھ مل کر انعامات تقسیم کر رہا تھا۔ انعام حاصل کرنے والوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ یہ میرے پاکستان اور اسلام کے وہ سپوت ہیں جو گودڑی میں لعل ہیں۔ یہ ہیرے اور موتی ہیں۔ یہ میرے پاکستان اور میرے اسلام کا مستقبل ہیں۔ ان کو دیکھتا ہوں، ان کی باتیں سنتا ہوں تو میرا اعتماد بڑھ جاتا ہے۔ میرے خون میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ کون ہیں وہ لوگ جو پیارے وطن کے بارے میں معاندانہ باتیں کرتے ہیں۔ یہاں ابھی بہت خیر ہے۔

مجھے وہ سکول بھی یاد آ رہا ہے جس کا وزٹ میں نے چار دن قبل 2 اپریل 2014ء کو کیا تھا۔ یہ ہیڈ بلوکی (ننکانہ) کے قریب کالونی شوکت آباد میں تھا۔ قادیانیوں نے کئی علاقوں میں سکولوں کا جال بچھا رکھا ہے۔ یہ کسی کو تعلیم کے نام پر اور کسی کو خدمتِ خلق کے نام پر پھسلاتے ہیں۔ اس علاقے میں بھی ان کا خاصا نیٹ ورک ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے بھائی اور دوست جناب طارق علوی صاحب کو، انھوں نے یہاں پر بڑی خوبصورت مسجد اور سکول بنوایا ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ علاقے میں قادیانیوں کا زور ہے۔ وہ نہایت منظم انداز میں قادیانیت کو پھیلا رہے ہیں۔ یہاں پر اہل سنت والجماعت کا کوئی سکول نہیں، اس لیے لوگ اپنے بچوں کو ان کے ہاں بھجوانے پر مجبور ہیں۔ دارالسلام سکول



سسٹم کے تحت الحمدللہ ہم نے یہاں پر ایک چھوٹا سا سکول قائم کر دیا ہے۔ خوبصورت مسجد کے ساتھ یہ چھوٹا سا سکول اس علاقے میں روشنی کا ننھا سا چراغ ہے۔ میں نے دیکھا گاؤں کی تین استانیاں چھوٹے چھوٹے بچوں کو بڑی محبت اور پیار سے پڑھا رہی تھیں۔ ہم نے اس تعلیم کو مفت رکھا ہے۔ مگر استانیوں کا کیا قصور؟ میں نے تنخواہ پوچھی تو کہنے لگے کہ فی الحال ہم ان کو صرف 2500 روپے ماہانہ تنخواہ دے رہے ہیں۔ میں چیخا صرف سو ریال بلکہ اس سے بھی کم تنخواہ! شہروں سے نکلیں تو دیہاتوں میں ابھی تک غربت ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو اس قسم کے سکولوں کا پاکستان میں جال بچھا دیتا۔

بہرحال نونہال کانفرنس میں اہل دل نے اکیس دیگوں کا بندوبست کر رکھا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں ان طلبہ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں مگر ایک اور خوبصورت پروگرام میرا انتظار کر رہا تھا۔ شیخوپورہ کا شہر لاہور سے کوئی پینتیس چالیس منٹ کی مسافت پر ہے۔ ریاض میں کچھ نوجوان اپنے دلوں میں کچھ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ برادرم عزیز عمران ظہیر پیشے کے اعتبار سے انجینئر ہیں۔ امریکا سے ڈگری حاصل کی اور پھر مینجمنٹ میں بھی متعدد کورس کر ڈالے۔ ان کے ساتھ جناب انجینئر عمر علوی ہیں اور انھی جیسے دردِ دل رکھنے والوں پر مشتمل ایک گروپ ہے۔ عمران ظہیر ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ اس سال میں دس ہزار غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کا ہدف رکھتا ہوں۔ اسی طرح یتیموں اور مسکینوں کے بارے میں ان کے جذبات بھی قابل قدر ہیں۔ ان کے ایما پر ہم نے ''آغوش مادر'' کے نام سے یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا ایک منصوبہ بنایا ہے۔ نوجوانوں کے عزم کو تو دیکھیے! مجھ سے کہنے لگے کہ ہمیں بیس برسوں کے اندر ایک لاکھ یتیم بچوں کی پرورش اور تربیت کرنی ہے۔ میں نے کئی راتیں لگا کر آغوش مادر کے نام سے منصوبہ بندی مکمل کی۔ طے ہوا کہ فی الحال شیخوپورہ میں ایک کوٹھی کرایہ پر لے کر کام شروع کر دیا جائے۔ شیخوپورہ میں دارالسلام کے ساتھ کام کرنے والے مخلص احباب حاجی محمد سعید ورک، حاجی غلام رسول صاحب، حاجی منشا گوپے را، ورک برادران، اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ بھٹی صاحب، قاری عبدالرحمٰن شاہد اور ان کے ساتھ نوجوانوں کی ایک ٹیم ہے۔ میں ان نوجوانوں سے ملتا ہوں تو میرے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ چونکہ میں نے 7 اپریل کو واپس آنا تھا اس لیے طے ہوا کہ میں آغوش مادر کا افتتاح کر کے جاؤں گا۔ لاہور روڈ پر ہمیں ایک بڑی خوبصورت جگہ مل گئی جہاں کبھی سکول تھا۔ اس کے سامنے بلدیہ کا گارڈن ہے۔ ہمارے سامنے اس جگہ 50 سے زائد یتیم بچوں کی رہائش اور حفظ قرآن کریم کا منصوبہ ہے۔

ایک دن پہلے الھدیٰ انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر محترم ڈاکٹر ادریس زبیر صاحب سے فون پر رابطہ ہوا تو گفتگو لمبی ہوتی چلی گئی۔ مبلغہ اور داعیہ محترمہ ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ سے کون واقف نہیں۔ انھوں نے جس طرح خواتین میں دینی بیداری پیدا کی ہے اور مقتدر حلقوں تک جس طرح رسائی حاصل کی ہے، ان لوگوں تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پیغام پہنچایا ہے یہ سارا کام اللہ کے فضل کے بعد ہماری اس عالمہ فاضلہ بہن کا ہے، ڈاکٹر ادریس زبیر ان کے شوہر نامدار ہیں۔ دونوں میاں بیوی ملک کے مختلف علاقوں میں اسلامی سنٹر بنا رہے ہیں۔ میں نے ان کو آغوش مادر کے پروگرام میں آنے کی دعوت دی تو وہ بھی پہنچ گئے۔

مغرب کی نماز کے بعد پروگرام شروع ہوا۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد ایک یتیم بچے ''علی رضا'' نے عقیدہ توحید پر مبنی خوبصورت حمد پیش کی۔ کیا خوبصورت آواز تھی۔ میں ڈائس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ ہم اس یتیم بچے کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ میں نے اس کے کپڑوں کو دیکھا وہ مجھے بتا رہے تھے کہ ان کی قیمت چند سو روپے سے زیادہ نہیں۔ میں نے اپنے ماحول میں بسنے والے بچوں کا سوچا کہ جب وہ کپڑے خریدنے جاتے ہیں تو عالمی مارکہ ہی کے کپڑے خریدتے ہیں۔ عام قیمتوں سے یہ کپڑے دو تین چار گنا زیادہ مہنگے ہوتے ہیں۔ مگر بچے ہیں ضد کرتے ہیں۔ والدین مجبور ہیں۔ بچے لاڈلے جو ٹھہرے، ذرا سی کم قیمت اور ادنیٰ معیار کے کپڑے پہنیں تو کلاس کے لڑکے مذاق اڑاتے ہیں۔

حافظ عبدالعظیم میرے معتمد خاص ہیں۔ انتھک محنت کرنے والا یہ نوجوان ہر وقت سفر کے لیے کمربستہ رہتا ہے۔ ادھر ڈوبے، ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے۔ دارالسلام کے تحت جتنے منصوبوں کا ذکر ہوا، ان میں اسی نوجوان کا بڑا بنیادی کردار اور خلوص شامل ہے۔ انھوں نے سنبھالا اور آغوش مادر کے منصوبے کی تفاصیل مختصراً بیان کیں۔



محترم ڈاکٹر ادریس زبیر سٹیج پر آئے تو یتیموں کے حوالے سے کتنی ہی آیات اور احادیث بیان کر دیں۔ انھوں نے سیرت پاک کے حوالے سے واقعات سنا کر دلوں کو گرما دیا۔ یتیم اور مسکین کی پرورش، ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اللہ اللہ! اس سے بڑا اور مبارک کام کون سا ہے؟ آغوش مادر کے افتتاح کے پہلے دن 18 یتیم بچے آئے تھے۔ اگلی صبح تک ان کی تعداد 21 ہو گئی تھی۔ بچوں نے سفید شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ عبدالعظیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ مجاہد صاحب! معززین کے ساتھ سٹیج سے نیچے آئیں اور بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیریں۔ میری تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ آنکھوں میں آنسو۔ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک شخص نے شقاوت قلبی کا شکوہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔ (دیکھیے السلسلة الصحيحة: 854، و مسند أحمد: 387/2)

میں نے سٹیج سے نیچے اترتے ہوئے سٹیج پر بیٹھے ہوئے دیگر معززین سے بھی کہا کہ وہ بھی میرے ساتھ آئیں اور ہم سب ان یتیموں کے سروں پر پیار بھرا ہاتھ پھیرتے ہیں۔ ہم سب یکے بعد دیگرے ان یتیموں کے سر پر شفقت اور محبت کا ہاتھ پھیر رہے تھے۔ حاضرین میں سے اکثر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ راقم الحروف نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں معاشرے میں یتیم بچوں کے ساتھ حسن سلوک، ان کے اجر و ثواب کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہمیں کہا جائے کہ آپ کے ہمسائے اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو کتنا فخر اور انبساط ہوگا۔ آپ ہر کسی کو بتائیں گے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ کے ہمسائے ہیں۔ تو اس بات میں کوئی شک و شبہ والی بات نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔'' آپ نے اپنی تشہد والی اور درمیانی انگلی کو ملا کر بتایا کہ جس طرح یہ انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس اجتماعی کام کی طرف آگے بڑھے اور یتیموں کے اس منصوبے میں اپنا حصہ ڈالے۔ یہ پروگرام نہایت مختصر سے وقت میں محض ایک دو دن کے نوٹس پر ہوا تھا۔ اس لیے ہم بہت سارے معززین کو دعوت نہیں دے سکے۔ اس لیے ہم کچھ عرصہ بعد ایک بڑا پروگرام کریں گے جس میں علاقے بھر کے معززین کو دعوت دیں گے۔

ہمیں اشارہ مل چکا تھا کہ ہم ''آغوش مادر'' کی بلڈنگ کے افتتاح کے لیے آئیں۔ تمام لوگوں کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ تمام معززین نے فیتے کو پکڑا۔ میں نے بسم اللہ علی برکة اللہ کہتے ہوئے فیتا کاٹا۔

اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے ہم اندر داخل ہوئے۔ سامنے دیوار پر ''آغوش مادر'' پراجیکٹ کا نقشہ چسپاں تھا۔ حافظ عبدالعظیم حاضرین کو اس منصوبے کی تفصیل بتا رہے تھے کہ ہم نے لاہور میں کوٹ عبدالمالک کے سامنے موٹروے پر سوا دو ایکڑ جگہ خریدی ہے۔ وہاں پر 500 یتیم اور مسکین بچوں کے لیے رہائش مہیا ہوگی۔ اسی میں 1000 سے زائد بچوں کے لیے پرائمری اور ہائی سکول ہوگا۔ اس سکول کا معیار ان شاء اللہ اس قدر عمدہ ہوگا کہ اس میں علاقے کے دوسرے بچے بھی داخلے کے خواہش مند ہوں گے۔ یتیم بچوں کی کفالت دارالسلام ٹرسٹ کرے گا۔ جبکہ دیگر بچوں سے فیس کی صورت میں جو آمدنی ہو گی وہ آغوش مادر پر خرچ کی جائے گی۔

اب مبارکباد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس مناسبت سے ہلکی ریفریشمنٹ سے تواضع کی گئی۔ احباب نے اس منصوبے کی کامیابی کے لیے اجتماعی دعا مانگی۔ اور اس طرح یہ نہایت اہم پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ ہم جب لاہور کے لیے روانہ ہوئے تو ہمارے عزم اور یقین میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔ ہم سوچ رہے تھے کہ ''آغوش مادر'' کو ملک بھر کے مختلف شہروں میں قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ عبدالعظیم صاحب نے اس بورڈنگ سکول کو چلانے والے سٹاف سے بھی ملاقات کروائی۔ ان میں سے ایک سبعہ عشرہ قاری تھے جو بچوں کو پڑھانے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ ہم نے ایک ایسے جوڑے کا بھی انتخاب کیا ہے جو بچوں کے لیے کھانا تیار کرے گا۔ اور یہ خاتون بچوں کو ایک ماں کی محبت دے گی۔ اس منصوبے کے پرنسپل تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ مجھے اس بلڈنگ کے مالک سے بھی ملوایا گیا۔ میں نے ان کو مبارکباد دی کہ آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ آپ کی بلڈنگ میں ایک اچھے کام کا آغاز ہو رہا ہے۔ انھوں نے بڑی محبت سے بتایا کہ مجھے آپ سے کہیں زیادہ کرایہ کی آفر ہوئی مگر میں نے آپ لوگوں کو ترجیح دی۔ مجھے اپنے رب سے امید ہی نہیں یقین ہے کہ وہ ہمارے اس منصوبے کو شرف قبول بخشے گا۔



آپ کے سوالات اور اُن کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق

سوال نماز میں رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے چاہئیں یا باندھنے چاہئیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح موقف کی وضاحت مطلوب ہے۔ (محمد جمیل عاصم تلونڈی، قصور)

جواب یہ مسئلہ عاملین بالحدیث میں قبض یا ارسال (ہاتھ باندھنے یا چھوڑنے) کی قاطع یا صریح نص نہ ہونے کی وجہ سے مختلف فیہ ہے۔ فریقین کا مقصود ایک ہی ہے اور وہ ہے سنت کی تلاش اور اس کی اتباع، کسی کی تقلید یا ذاتی تعصب کا اس میں قطعاً عمل دخل نہیں، دونوں فریق محبانِ سنت ہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہر دو صورت میں انجامِ کار خیر ہی ہے کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے جو کہ اجر کا باعث ہے، اگرچہ ازروئے تحقیق ترجیح کسی بھی موقف کو حاصل ہو۔ سنت کی مخالفت یا کسی کی تقلید قطعاً مقصود نہیں جو کہ اہلِ بدعت، اہل الأھواء یا مذہبی متعصبین کا عمومی شیوہ ہے۔

جو حضرات اِرسال، یعنی بعداز رکوع ہاتھ چھوڑنے کے قائل ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ کسی صریح حدیث میں قبض (ہاتھ باندھنے) کا نصًا یا صراحتاً ذکر نہیں ملتا۔ ذخیرۂ حدیث چھان ماریں اس عمل کی اس مقام پر تصریح نہیں ملے گی۔ نیز سلف صالحین (صحابہ وتابعین) سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور جن صحابۂ کرام سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا تفصیلی ثبوت ملتا ہے، اور انھوں نے آپ علیہ السلام کی نماز کا بڑی دقت اور عمیق نظری سے جائزہ لیا ہے ان کی روایات کے سیاق وسباق اور طرز بیان سے بھی اِرسال الیدین (ہاتھ چھوڑنے) کا اثبات ہوتا اور قبض کا عدمِ ذکر ہی ملتا ہے، نیز حفاظِ حدیث اور فقہائے محدثین کی مصنفاتِ حدیثیہ کو دیکھ لیجیے اس کی تصریح میں ان کی کوئی تبویب یا وضاحت بھی نہیں ملتی، نیز یہ عمل اس مقام پر خارج از صلاۃ اصل وضع اور انسانی استواء وہیئت کے مطابق بھی ہے، تفصیل آئندہ ذکر ہوگی۔ اس موقع پر اس موقف کے حاملین تواتر عملی کو بھی بنیاد بناتے ہیں۔

ارسال الیدین کی سُنّیت

اب آپ کے سامنے ان علماء کے دلائل ذکر کرتے ہیں جو ارسال کے قائل ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی یہی موقف راجح ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

① احادیث صحیحہ میں صحابۂ کرام سے نماز کا مکمل اور تفصیلی طریقہ منقول ہے، جس میں انھوں نے بڑی تحقیق اور دقت نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان روایات میں سے کسی ایک تفصیلی روایت میں بعداز رکوع کی تصریح کے ساتھ یہ عمل منقول نہیں جو کہ اس کی عدمِ سنّیت کی دلیل ہے۔

② رسول اللہ ﷺ کی پانچ وقت کی نماز اور سنن راتبہ (فرائض کی اگلی پچھلی سنتوں) کی تعداد کم وبیش چالیس بنتی ہے، یا صرف دن رات کے



فرائض ہی لیجیے، سترہ رکعات بنتی ہیں، کیا جو نماز دن اور رات میں سترہ رکعات فرض کی صورت میں ادا ہوتی ہو، کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ علیہ السلام کی زندگی میں ایک بار بھی اس عمل کا مشاہدہ نہ کیا اور آگے نقل نہ کر سکے؟ حالانکہ نماز میں قراءت کے دوران داڑھی مبارک کا ہلنا اور تشہد میں انگشت شہادت کی حرکت و اشارے کے طریقے اور دائیں ہاتھ کے رکھنے اور انگلیوں کی کیفیات تک کا بڑی عمیق نظری سے مشاہدہ فرمایا اور اسے نقل بھی کیا ہے جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ علیہ السلام سے بعد از رکوع کی تصریح کے ساتھ یہ عمل ثابت نہیں، اسی لیے صحابۂ کرام نقل نہیں کر پائے۔

③ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مختصر یا مجمل روایت جس سے مذکورہ عمل کا استدلال کیا جاتا ہے، اس کا جائزہ ان کی تفصیلی روایت کی روشنی میں لیں کیونکہ اصولاً اگر ایک حدیث ایک مقام پر مجمل یا مختصر ہے تو اس کی تفصیل کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے، نیز اگر ایک مقام پر مطلق ہے اور اس کا مضمون مقید بھی ملتا ہے تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، وگرنہ اس اصول کی عدم رعایت کی بنا پر بہت سی بدعات جنم لیں گی یا پھر عجیب وغریب تضادات واختلافات کھڑے ہو جائیں گے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں، اس لیے فکرِ محدثین اور ان کے منہج کے حاملین کو اس طرف خصوصی توجہ دینی ہوگی۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ يُصَلِّي؟» ''میں رسول اللہ ﷺ کو ضرور بالضرور دیکھوں گا کہ آپ کیسے نماز پڑھتے ہیں؟'' پھر فرماتے ہیں: «فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ حِيْنَ قَامَ، فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذٰى أُذُنَيْهِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ، ثُمَّ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ، رَفَعَ يَدَيْهِ مِثْلَهَا، ثُمَّ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ مِثْلَهَا، ثُمَّ سَجَدَ فَجَعَلَ كَفَّيْهِ بِحِذَاءِ أُذُنَيْهِ.....» ''جب آپ کھڑے ہوئے تو میں نے آپ کو دیکھا، آپ نے تکبیر تحریمہ کہی اور دونوں ہاتھ کانوں کے برابر اٹھائے، پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہتھیلی (کی پشت) پر، ہتھیلی کے جوڑ اور کلائی پر رکھا۔ پھر جب رکوع کا ارادہ فرمایا، تو اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھائے، پھر رکوع کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے۔ پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھائے، پھر سجدہ کیا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے دونوں کانوں کے برابر کر لیا.....''

(صحيح سنن أبي داود للألبانی:714، ومسند أحمد (محقق): 168/31)

''ثُمَّ'' کا مفہوم

بڑی دقت سے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نماز کے ظاہری اعمال کا تذکرہ فرمایا۔ اور حسن سیاق بھی کمال کا ہے، ذرا غور فرمائیے: اعمال کی ترتیب میں سیدنا وائل نے کلمۂ «ثُمَّ» کا استعمال فرمایا، صاحب زبان تھے، اس کے مفہوم کا انھیں پورا ادراک تھا۔ علماء جانتے ہیں کہ یہ حرف عطف ہے جو کہ ترتیب مع التراخی کے لیے وضع ہے۔ یعنی جہاں اعمال وافعال کی ترتیب یکے بعد دیگرے اور کچھ تاخیر سے ذکر کرنا مقصود ہو وہاں اس کا استعمال کرتے ہیں، مثلاً: کہتے ہیں: جَاءَ بَكْرٌ ثُمَّ عَمْرٌو۔ تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ترتیب میں پہلے بکر آیا، بعد ازاں کچھ تاخیر کے ساتھ عمرو آیا۔ اب یہ سیاق دلالت کرتا ہے کہ بکر اور عمرو کے درمیان آنے میں کوئی تیسرا شخص شریک نہیں، آنے کی ترتیب یہی ہے۔ یہ سب کچھ ثُمَّ سے معلوم ہوا۔ یہی مفہوم وائل بن حجر کے بیان کردہ مذکورہ اعمال میں ہے، انھوں نے ترتیب کے ساتھ جن افعال کا ثُمَّ کے ذریعے ذکر کیا ہے وہی اعمال آپ نے اسی ترتیب سے سرانجام دیے ہیں درمیان میں کسی عمل کا کوئی دخل نہیں، یہ اسلوب خالص عربی اسلوب ہے۔

نیز وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ مِثْلَهَا» ''پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھائے۔'' کیا یہاں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، یقیناً نہیں، اگر دیکھا ہوتا یا ان کی یاداشت میں یہ ہوتا تو یقیناً ذکر کرتے، بلکہ جو عمل دیکھا وہ صرف اتنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے سابقہ رفع الیدین کی طرح صرف رفع الیدین کیا اور بس، «ثُمَّ سَجَدَ» پھر سیدھے سجدے میں چلے گئے۔ معلوم ہوا رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اور رفع الیدین اور پھر سجدہ کرنے کے درمیان کوئی تیسرا عمل حائل نہیں ہوا ورنہ ضرور ذکر کرتے۔

''مِثْلَهَا'' میں نکتہ

یہاں «مِثْلَهَا» میں بھی ایک نکتہ ہے: شیخ البانی رحمہ اللہ صحیح موارد الظمآن (حدیث:402) کی تعلیق میں لکھتے ہیں: قارئین کرام! وائل رضی اللہ عنہ کے حسن سیاق پر غور فرمائیں کہ انھوں نے تکبیر تحریمہ کے وقت کس طرح رفع الیدین کا ذکر فرمایا، پھر انھوں نے رفع الیدین کی بابت اپنے ایجاز و اختصار کا یہی اسلوب رکوع کے وقت اور بعد از رکوع بھی انھی الفاظ سے اختیار فرمایا: «فَرَفَعَ يَدَيْهِ مِثْلَهَا» ''تو انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اُسی طرح اٹھائے'' تو اگر بعد از رکوع ہاتھ باندھنا صحیح ہوتا جس طرح کہ یہ عمل بعض فضلاء وائل رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، تو پھر انھیں (وائل کو) یہ کہنا چاہیے تھا: «وَوَضَعَ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى مِثْلَهَا» ''اور اسی طرح دایاں بائیں ہاتھ پر رکھا'' یا اس قسم کی کوئی اور تعبیر ہوتی، کیونکہ یہی بیان کا وقت تھا جیسا کہ یہ بات واضح ہے۔ اس بات پر بنظرِ انصاف غور فرمائیں۔

شیخ البانی کی تحقیق

ایک اور طریق سے مروی وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت مزید لکھتے ہیں: «وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ وَالَّذِي قَبْلَهُ بِحَدِيثَيْنِ إِشَارَةٌ قَوِيَّةٌ إِلٰى أَنَّ وَضْعَ الْيَدَيْنِ عَلَى الصَّدْرِ بَعْدَ الرُّكُوعِ لَا أَصْلَ لَهُ، لِأَنَّ وَائِلًا لَمْ يَذْكُرْهُ، وَلَوْ رَآهُ لَذَكَرَهُ كَمَا ذَكَرَ رَفْعَ الْيَدَيْنِ فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ .....» ''اس حدیث اور جو اس سے دو حدیثیں پہلے گزر چکی ہے، ان میں یہ قوی اشارہ ملتا ہے کہ بعد از رکوع سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ وائل رضی اللہ عنہ نے اسے ذکر نہیں کیا، اگر انھوں نے یہ دیکھا ہوتا تو ذکر کرتے جیسا کہ انھوں نے تینوں مقامات پر رفع الیدین ذکر کیا ہے۔'' (تعلیق صحیح موارد الظمآن: 405)

ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس عمل کی عدم سُنّیت کی دوسری حدیث ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ یہ ایسی حدیث ہے جس کے بارے میں انھوں نے دس صحابۂ کرام کو چیلنج کیا اور فرمایا تھا کہ میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں، پھر تفصیل سے طریقہ نماز ذکر کیا اور سب نے بالاتفاق اس نماز کی تصدیق فرمائی۔ اس حدیث کا سیاق بھی بڑا خوبصورت ہے۔ ثُمَّ کے ساتھ رکوع کے بعد کا تفصیلی ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں: «ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلًا، ثُمَّ يَقُولُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ، ثُمَّ يَهْوِي إِلَى الْأَرْضِ .....» ''پھر اپنا سر اٹھاتے اور «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہتے، پھر اعتدال کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے، پھر «اَللّٰه أَكْبَر» کہتے، پھر زمین کی طرف تیزی سے گر پڑتے.....'' (صحیح سنن أبي داود، حدیث: 720، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح قرار دی ہے، إرواء الغلیل: 2/13-305)

یہاں بھی بعد از رکوع سینے پر ہاتھ باندھنے کی تصریح موجود نہیں، بلکہ سیاق کی دلالت کی بنا پر اس عمل کی عدم سنیت کشید ہوتی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے: «فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُودَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ» ''جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بالکل سیدھے ہو جاتے یہاں تک کہ کمر کی ہر ہڈی اپنی جگہ پر لوٹ آتی۔'' (دیکھیے: صحیح موارد الظمآن: 242/1) یعنی ہر ہڈی اپنی طبعی حالت اور وضعی ہیئت پر واپس آجاتی، خارج از نماز انسان کی طبعی اور حقیقی وضع ارسال ہی ہے، لہٰذا ہر ہڈی کا استواء ارسال پر دلالت کرتا ہے۔ نیز مندرجہ ذیل الفاظ اس کی واضح تر دلیل ہیں: «ثُمَّ يَمْكُثُ قَائِمًا حَتّٰى يَقَعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ، ثُمَّ يَهْبِطُ سَاجِدًا» ''پھر آپ کچھ دیر اس حالت میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر گری ہوئی ہوتی پھر سجدہ کرتے۔'' (مصنف ابن أبي شیبہ: 235/1، وسندہ صحیح)

ارسال کی سنّیت کی تیسری حدیث

تیسری حدیث رفاعہ بن رافع کی حدیث ہے جو «حدیثِ مُسِيءِ الصلاة» کے نام سے معروف ہے۔ مختصراً اور مطولاً دونوں طرح مروی ہے۔ مسند احمد (328/31) کے الفاظ ہیں: «فَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ، فَأَقِمْ صُلْبَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلٰى مَفَاصِلِهَا» ''جب تو اپنا سر اٹھائے تو اپنی پشت کو کھڑا کر یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنے اپنے جوڑوں کی طرف



لوٹ آئیں۔'' تمام ہڈیوں کا اپنے اصل محل کی طرف لوٹنا صرف ارسال ہی کی صورت میں ممکن ہے۔

سنن أبي داود (حدیث:857) میں ہے: «ثُمَّ يَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا، ثُمَّ يَقُولُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَسْجُدُ.....» ''پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہے یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جائے پھر اللہ اکبر کہے، پھر سجدہ کرے۔''

بالفرض اگر مذکورہ قرائن و دلائل نہ بھی ہوتے تب بھی نفس مسئلہ پر اثر نہ پڑتا، کیونکہ اس حالت میں ارسال ایک فطری اور جسمانی تقاضا ہے، جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، بالکل اسی طرح، جیسے رکوع و سجود کی حالت میں نظروں کے محل کا کسی حدیث میں تعین نہیں، کہ نظریں کہاں ہوں؟ کیونکہ طبعًا ان کا اس مقام پر جو محل بنتا ہے وہیں ہوں گی۔ اس کی دلیل مانگنا غیر ضروری سوال ہوگا۔ تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلیوں کی کیا کیفیت ہوگی، کھلی ہوں گی یا بند؟ اس کی تفصیل بھی حدیث میں موجود نہیں، یہ سوال بھی ہے کہ حالت قیام میں دونوں قدموں کا درمیانی فاصلہ کیا ہوگا؟ حدیث میں کہیں تعین نہیں، یہ انسان کی جسمانی ساخت اور حالت سے متعلق ہے، ہر انسان کی جسامت و قامت کا جو فطری تقاضا ہے، اتنے ہی پاؤں کھولے گا، اب اس کے لیے الگ سے دلیل کا مطالبہ درست نہیں، اسی طرح بحالت نماز تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کی انگلیاں ملانی ہیں یا نہیں؟ اس کا ذکر بھی حدیث میں نہیں آتا۔ ہاں جو عام جسمانی قدرتی ساخت کا تقاضا ہے، اسی کے مطابق انگلیاں رکھے گا، یعنی عام معمول کی کیفیت ہی اپنائے گا۔

نماز میں یہ وہ چند مقامات ہیں جن کی دلیل معلوم نہیں بلکہ خارج از نماز جو کیفیت ہوتی ہے، ان مقامات میں وہی کیفیت ہوگی۔ یہی حال بعد از رکوع ہاتھ چھوڑنے کا ہے۔ فتدبر.

سلف صالحین سے عدم ثبوت

④ سلف صالحین میں سے کسی سے یہ عمل مروی نہیں، اگر سنت ہوتا تو ضرور منقول ہوتا، عدم نقل اس کے عدمِ وجود کی دلیل ہے۔

بعد از رکوع ہاتھ باندھنے والوں کے اہم دلائل

پہلی دلیل: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں: سیدنا وائل بن حجر الحضرمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کیا حتی کہ اپنے کانوں کے برابر ہاتھوں کو اٹھایا، پھر رکوع کیا، جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر رکھا ہوا تھا۔'' (مسند أحمد: 318/4، محقق نسخہ:164/31)

اوّلاً: یہ روایت مجمل اور مختصر ہے اور اختصار بھی خلل آمیز ہے، نماز سے متعلقہ وائل بن حجر کی مسند احمد میں موجود تمام روایات کا میں نے جائزہ لیا ہے، جس کی روشنی میں حدیث کی یہ ترتیب کسی راوی کا وہم محسوس ہوتا ہے، کیونکہ جتنی بھی تفصیلی روایات ہیں، ان میں قبل از رکوع قیام میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے جبکہ اس روایت میں جو کہ باقی تمام روایات کے برعکس ہے بعد از رکوع سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی قبض (ہاتھ باندھنا) ہے جو تکبیر تحریمہ کے بعد ہوتا ہے، اختصار سے خلل واقع ہوا۔

ثانیاً: اختصارِ مُخِل یا روایت میں وہم کا ایک واضح تر قرینہ یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر موجود نہیں، متن ملاحظہ فرمائیے: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ حِيْنَ كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ حِيْنَ رَكَعَ، ثُمَّ حِيْنَ قَالَ: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَرَأَيْتُهُ مُمْسِكًا يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ» ہاتھ باندھنے کا یہ محل قبل از رکوع تھا، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی نماز سے متعلقہ ذخیرۂ حدیث میں تمام تفصیلی روایات چھان ماریں یہ سیاق نہیں ملے گا۔

ثالثاً: اگر یہ روایت اس سیاق کی روشنی میں قابل عمل ہے تو آیا اس کی روشنی میں احباب یہ بھی استدلال کریں گے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کبھی کبھار سینے پر ہاتھ نہ باندھنا بھی سنت ہے کیونکہ اس کا ادھر ذکر موجود نہیں؟ یقیناً وہ اس کی جرأت نہیں کریں گے اور اس جواب کے لیے دوسری روایات کا سہارا لیں گے۔

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے دوسرے طریق سے مروی الفاظ

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا: «إِذَا كَانَ قَائِمًا فِي الصَّلَاةِ قَبَضَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ» ''جب آپ ﷺ نماز میں حالت قیام میں ہوتے تو اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھتے۔'' (سنن النسائي: 888)

یہ بھی مختصر روایت ہے۔ راوی نے قبل از رکوع حالت قیام میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی مشروعیت وائل بن حجر کی روایت کی روشنی میں پیش کی لیکن اختصار ایسا ہوا کہ اس سے بعد از رکوع ہاتھ باندھنے کا استدلال بھی کرلیا گیا۔

اولاً: جب کسی روایت میں مطلقاً قیام کا ذکر ہو تو اس سے وہی شرعی قیام مقصود ہوتا ہے جس میں فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور قراءت ہوتی ہے۔ احادیث میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً: حضرت براء فرماتے ہیں: «كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ ﷺ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ مَاخَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ» ''قیام اور قعود کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کا رکوع، آپ کے سجدے، دونوں سجدوں کے درمیان (بیٹھنا) اور جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے یہ سب تقریباً برابر ہوتے تھے۔'' (صحيح البخاري: 792) اور جب بعد از رکوع کی حالت مراد ہو، جسے فقہاء قومہ سے تعبیر کرتے ہیں تو روایات صحیحہ کا جائزہ لے لیں وہاں مطلقاً قیام نہیں بولا جاتا بلکہ بعد از رکوع کی قید ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ چونکہ اس روایت میں مطلق قیام کا ذکر ہوا ہے اس لیے اس سے مراد قبل از رکوع والا قیام ہی مراد ہے۔ تو پھر استدلال کیسا؟

ثانیاً: غور فرمائیں دعویٰ بعد از رکوع ہاتھ باندھنے کا ہے لیکن جو روایت پیش کی گئی ہے وہ عام ہے، انصاف فرمائیں اس میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے؟ قطعاً نہیں۔ دعویٰ خاص ہے تو دلیل بھی خاص ہونی چاہیے۔

ثالثاً: وائل بن حجر کی جتنی تفصیلی اور مقید روایات ہیں تمام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر قبل از رکوع قیام میں ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل بعد از رکوع مسنون نہیں۔ اس روایت کا بھی یہی مفہوم ہے۔

رابعاً: مختصر روایات کا اسلوب ایک نہیں، بعض میں قیام کا ذکر ہے اور بعض میں نہیں، یعنی روایت عام ہے جو اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ یہ تصرف رواۃ کا ہے جو کہ مجمل ہے جس کا فیصلہ تفصیلی روایات ہی کی روشنی میں ہوسکتا ہے۔ مثلاً: مذکورہ سنن نسائی کی روایت میں قیام کا ذکر ہے، اور المعرفة: 121/3 (بحوالہ سلسلہ صحیحہ) میں بھی یہی روایت ہے، وہ بھی قیام کے ذکر کے ساتھ ہے۔ یہی روایت جب دوسرے طریق سے مروی ہے تو قیام کے ذکر کے بغیر ہے، جیسے: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَاضِعًا يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ» ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر نماز پڑھتے دیکھا۔'' (مسند أحمد: 316/4)

مسند احمد ہی میں ایک اور طریق سے قیام کے ذکر کے بغیر روایت مروی ہے، «أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى.....»

یہ سب اختصار کی بنا پر ہوا۔ جب دیگر تفصیلی روایات کو مدنظر نہیں رکھا جائے گا تو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، مثلاً: جن روایات میں قیام کا ذکر نہیں بلکہ «في الصلاة» کا عموم ہے تو اس کا مطلب ہے تمام نماز ہی میں ہاتھ باندھنے مشروع ہیں۔ اس حوالے سے شیخ صالح رحمہ اللہ کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

دوسری دلیل

شیخ صالح عثیمین بعد از رکوع ہاتھ باندھنے کی منجملہ دلیلوں میں سے ایک عام روایت یہ بھی پیش کرتے ہیں، اور اپنا مدعیٰ ثابت کرتے ہیں: حدیث صحیح بخاری کی ہے: «كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ» ''لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لے۔'' (صحيح البخاري: 740)

ان کے استدلال سے قبل غور فرمائیں، آیا اس حدیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ لوگوں کو (بعد از رکوع قیام میں) ہاتھ باندھنے کا حکم دیا جاتا تھا، یقیناً ایسی تصریح دور تک نہیں ملے گی۔ چونکہ حدیث عام ہے۔ جس سے رکوع، سجود اور بین السجدتین بھی ہاتھ باندھنے لازم آتے ہیں کیونکہ الفاظ «فِي الصَّلَاة» کے عام ہیں تو اس کی وضاحت میں شیخ رحمہ اللہ



لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع میں کوئی فرق نہیں کیونکہ حدیث سہل بن سعد کے عموم کا یہی تقاضا ہے، ہاں البتہ اس عموم سے رکوع خارج ہے کہ اس میں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر ہوتے ہیں، سجود خارج ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ زمین پر ہوتے ہیں، جلسہ خارج ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ رانوں پر ہوتے ہیں۔ باقی رہی حالت قیام تو اس میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع دونوں حالتوں میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھا جائے گا۔'' (فتاویٰ اسلامیہ:401/1، طبع دارالسلام لاهور)

جواب: شیخ رحمہ اللہ کے بقول اس عموم سے مذکورہ تینوں حالتیں دیگر دلائل کی روشنی میں مستثنیٰ ہیں، اس لیے وہاں تو نہیں باندھیں گے البتہ بعد از رکوع کی حالت اس میں ضرور آتی ہے۔

عرض ہے کہ رکوع وسجود کی حالتیں تو دیگر صریح دلائل کی روشنی میں مستثنیٰ ہیں البتہ اس موقف کے حاملین کو بین السجدتین ہاتھ باندھنے سے مفر نہیں، کیونکہ دریں صورت کسی بھی حدیث میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی کیفیت معلوم نہیں، لہٰذا مذکورہ «فِي الصَّلَاةِ» کے عموم سے اس کی تخصیص نہیں ہوسکتی، اس لیے یہ حضرات بین السجدتین بھی سینے پر ہاتھ باندھیں، لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہوگا، یا پھر معذرت کے ساتھ اس حدیث کے عموم سے استدلال چھوڑنا ہوگا۔

تفصیلی روایات کی روشنی میں فیصلہ

سنن نسائی وغیرہ کی مذکورہ دلیل مطلق یا عام ہے، اس کا فیصلہ تفصیلی یا مقید روایات کی روشنی میں ہوگا۔ اور وہ ہے ہاتھوں کا قبل از رکوع قیام کی حالت میں باندھنا۔ دلیل ملاحظہ فرمائیے: شیخ البانی رحمہ اللہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: اس حدیث کے طرق کی بحث وتفتیش کرنے والا شخص یہ شک نہیں کرسکتا کہ یہ بھی مختصر روایت ہے جیسا کہ وکیع کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ملتا ہے وہ وائل بن حجر کی تفصیلی روایت کی روشنی میں قبل از رکوع ہے، یہ وضاحت دو طرق میں آتی ہے:

① عن عبدالجبار بن وائل عن علقمة بن وائل ومولى لهم أنهما حدثاه عن أبيه وائل بن حجر: یہ ہے سند اور روایت یہ ہے: «أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ، كَبَّرَ۔ وَصَفَ هَمَّامٌ۔ حِيَالَ أُذُنَيْهِ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى .....»

''انھوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز میں داخل ہوئے تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور تکبیر تحریمہ کہی۔ ہمام راوی نے بیان کیا۔ اپنے دونوں کانوں کے برابر، پھر اپنے کپڑے کو اوڑھ لیا (لپیٹ لیا) پھر اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا.....۔''

یہ ہے اصل محل اور اس کا تفصیلی حدیث میں تعین، تو پھر صریح روایت کو چھوڑ کر مبہم یا مجمل روایت کو کیوں لیں؟ محدثین کا یہی دستور اور قاعدہ ہے۔

② دوسرا طریق: عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال: یہ تفصیلی روایت ارسال کے اثبات میں دوسرے طریق سے آغاز بحث میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس مذکورہ طریق کے الفاظ نقل کرتے ہیں، وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَأَنْظُرَنَّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ يُصَلِّي؟ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ، ثُمَّ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ» ''میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو ضرور دیکھوں گا کہ آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں؟ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر قبلہ کی طرف منہ کرلیا پھر اللہ اکبر کہا اور دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، یہاں تک کہ وہ دونوں کانوں کے برابر ہوگئے، پھر آپ علیہ السلام نے اپنے دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑ لیا.....'' (سلسلہ صحیحہ: 5/3-7) کیا اس روایت میں کوئی شبہ یا خفا ہے؟ یقیناً نہیں۔ جس سے واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ ہاتھ باندھنے کا صرف ایک ہی محل ہے اور وہ ہے قبل از رکوع خواہ قیام کی حالت میں ہو یا قعود کی۔

ایک اور دلیل

شیخ البانی رحمہ اللہ صفۃ صلاۃ النبی (ص:12) میں لکھتے ہیں: رسول اللہ ﷺ بعد از رکوع قیام میں اطمینان کا حکم دیا کرتے تھے: «مُسِيءُ الصَّلَاةِ» کو آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا: «ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا [فَيَأْخُذُ كُلُّ عَظْمٍ مَأْخَذَهُ]، وَفِي رِوَايَةٍ: «وَإِذَا رَفَعْتَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ، وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلَى مَفَاصِلِهَا» ''پھر اپنا

سر اٹھایہاں تک کہ تو سیدھا کھڑا ہوجائے [اور ہر ہڈی اپنے مأخذ کو پکڑے] (یعنی اپنے اصل مقام تک پہنچ جائے' اور ایک روایت میں ہے:''جب تو سر اٹھائے تو اپنی پشت کو کھڑا کر اور اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ تمام ہڈیاں اپنے جوڑوں کی طرف لوٹ جائیں۔''

شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث کی مراد بالکل واضح ہے، اور وہ ہے اس قیام میں اعتدال واطمینان اختیار کرنا، جبکہ ہمارے بعض حجازی اور دوسرے بھائیوں نے اس حدیث سے قیام میں دائیں ہاتھ کے بائیں ہاتھ پر باندھنے کی مشروعیت کا استدلال کیا ہے، لیکن مذکورہ حدیث کی مجموعی روایات سے یہ استدلال کوسوں دور ہے (فقہاء کے ہاں یہ حدیث «حديثِ مُسِيءُ الصَّلَاة» کے نام سے معروف ہے) بلکہ یہ استدلال باطل ہے، کیونکہ مذکورہ عمل کا اس حدیث کے طرق والفاظ میں قیام اول میں کہیں ذکر منقول نہیں چہ جائیکہ مذکورہ اُخذ کی تفسیر اس حدیث میں بعد از رکوع دائیں ہاتھ کے بائیں پر باندھنے کے ساتھ کی جائے؟

یہ تو اس وقت ہے جب اس مفہوم (یا استدلال) پر اس مقام میں حدیث کے مجموعی الفاظ تائید کریں۔ جبکہ صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اس طرح کہ الفاظ حدیث اس کے برعکس واضح دلالت کرتے ہیں۔ اور مذکورہ عمل حدیث سے بالکل غیر متبادر ہے، یعنی مذکورہ مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔

المختصر! شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق میں مطلقاً کسی حدیث میں اس کا ذکر منقول نہیں، وہ کہتے ہیں: اگر اس کی کوئی اصل ہوتی تو ضرور نقل ہوتی، نیز سلف صالحین سے بھی اس عمل کا وجود نہیں ملتا، نہ ائمہ حدیث میں سے اسے کسی نے ذکر کیا ہے۔(أیضاً، ص121)

امام احمد رحمہ اللہ کا قول اور اس کا جواب

اس موقف کے حاملین امام اہل سنت امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی دلیل پکڑتے ہیں جو ان کے بیٹے صالح نے اپنے مسائل (ص90، بحواله صفة الصلاة، ص: 111) میں ذکر کیا ہے، انھوں نے فرمایا تھا: «إِنْ شَاءَ أَرْسَلَ يَدَيْهِ بَعْدَ الرَّفْعِ مِنَ الرُّكُوعِ وَإِنْ شَاءَ وَضَعَهُمَا» ''اگر اس کی مرضی ہو تو بعد از رکوع ہاتھ چھوڑ دے یا مرضی ہو تو دونوں ہاتھ باندھ لے۔''

امام احمد رحمہ اللہ کی یہ اپنی ذاتی رائے یا اجتہاد ہے، انھوں نے اس موقف میں کوئی نص یا حدیث پیش نہیں فرمائی کیونکہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ اگر نص یا صریح حدیث ہوتی تو امام رحمہ اللہ سنت میں کبھی اختیار نہ دیتے، جیسا کہ ان کے اسلوبِ اتباع سے یہ حقیقت واضح ہے، نیز سنت کی موجودگی میں تو کوئی رائے یا اجتہاد نہیں چلتا۔ کیا قبل از رکوع حالت قیام میں ہاتھ نہ باندھنے میں بھی اختیار دے سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں کیونکہ وہاں نص موجود ہے۔

ایک فیصلہ کن سوال

ہاتھ باندھنے والوں کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے تھے۔ ہم اسے تسلیم کیے لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہاتھ باندھتے تھے تو صحابۂ کرام بھی ہاتھ باندھتے ہوں گے، پھر تابعین بھی ہاتھ باندھتے ہوں گے اور اس طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا ہوگا۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ ہمیں وہ موڑ بتایا جائے جس موڑ پر پہنچ کر لوگوں نے ہاتھ باندھنے کو یک لخت چھوڑ دیا، کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، نہ محدثین نے اس سلسلہ میں جزء تالیف کیا اور نہ اپنی کتابوں میں اس مضمون پر باب باندھے۔ ہر سنت جب چھوڑی گئی اس کے خلاف آواز اٹھی، اختلاف ہوا، لیکن یہ کیسی سنت تھی کہ سب نے اسے چھوڑ دیا اور کسی ایک نے بھی اس ترکِ سنت کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ ایک متواتر سنت کو چھوڑ کر خلاف سنت عمل شروع کر دیا، سنت کی جگہ بدعت نے لے لی اور سب خاموش رہے، یہ کیسے ممکن ہے؟ ظاہر ہے کہ ہاتھ باندھنے والوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ (صلاة المسلمين، ص: 510,509)

لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ رکوع کے بعد کبھی ہاتھ باندھے ہی نہیں گئے، ہمیشہ ہاتھ چھوڑے گئے اور یہی عمل رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ تسلسل اور تواتر کے ساتھ منتقل ہوتا رہا اور آج اُس تواتر عملی پر ہمارا عمل ہے۔(أیضاً)

❁❁❁❁

محمد زبیر (لیکچرار الفرقان کالج، اوکاڑہ)



آؤ چلیں! کامیابی کی شاہراہ پر

اہم پیغام طلبہ اور نوجوانوں کے نام

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ:

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰىo وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰىo ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰىo﴾ ''اور انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی، اور یقیناً اس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی، پھر اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

(النجم 53:39-41)

عزیز طلبہ اور نوجوان بھائیو! آیئے! بامقصد نتائج کو کوشش کے ساتھ مشروط کرنے والی مذکورہ آیت کریمہ کے بعد دو احادیث نبویہ کا مطالعہ کریں: «نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ: اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ» ''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کی اکثر لوگ قدر نہیں کرتے: صحت اور فراغت۔'' (صحيح البخاري: 6412) صادق المصدوق پیغمبر ﷺ نے فرمایا: ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت سمجھو: زندگی کو مرنے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور مال داری کو فقر سے پہلے۔'' (المستدرك للحاكم: 306/4)

وقت کی اہمیت

وقت انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت بھی، جس کی قدر ناشناسی اور ناشکری کی وجہ سے آج امت میں غفلت عام ہے جس کی طرف امت، خصوصاً طلبہ اور نوجوان طبقے کو توجہ دلانا بہت ضروری ہے۔ وقتیات کائنات کا ایک ایسا قطرہ ہے جو ازل سے ابد تک مسلسل بہا جا رہا ہے، تاہم اس کے بہاؤ کی رفتار کا معاملہ عجیب تر اس لیے ہے کہ اس کی رفتار تیز سے تیز تر ہونے کے باوجود زندگی کا وجدان اس تیزی کے احساس سے اکثر محروم رہتا ہے۔ زندگی عام معمول پر ہو تو رفتارِ وقت کا احساس نہیں ہوتا۔ جب کوئی نیا حادثہ زندگی کے پرسکون دریا کی سطح پر شورش پیدا کر دے تب وقت کی رفتار کا کچھ اندازہ ہونے لگتا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ پیش آنے والا واقعہ اگر خوشی و مسرت کا پیغام لایا ہے تو دن گھنٹوں اور گھنٹے منٹوں کے حساب سے گزرتے محسوس ہوتے ہیں، اس کے برخلاف وہ حادثہ اگر غم و تکلیف کی نوعیت کا ہو تو وقت کی رفتار سبک رو معلوم ہوتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ وقت ضائع کرنا ایک طرح کی خودکشی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خودکشی ہمیشہ کے لیے زندگی سے محروم کر دیتی ہے اور ضیاعِ وقت ایک محدود زمانے تک زندہ کو مردہ بنا دیتا ہے۔ یہی منٹ، گھنٹے اور دن جو غفلت اور بے کاری میں گزر جاتے ہیں اگر انسان حساب کر لے تو ان کی مجموعی تعداد مہینوں بلکہ برسوں تک پہنچتی ہے۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ آپ کی عمر سے پانچ دس سال کم کر دیے گئے تو یقیناً اس کو سخت صدمہ ہوگا لیکن وہ معطل بیٹھا ہوا خود اپنی عمرِ عزیز کو برباد کر رہا ہے مگر اس کے زوال پر اس کو کچھ افسوس نہیں اور دائمی سوز و گداز میں مبتلا رہتا ہے۔ اگرچہ وقت کا بے کار کھونا عمر کا کم کرنا ہے لیکن اگر یہی ایک نقصان ہوتا تو چنداں غم نہ تھا۔ بہت بڑا نقصان اور خسارہ جو بے کاری اور ضیاعِ وقت سے ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بے کار آدمی کے خیالات ناپاک ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے جسمانی اور روحانی عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حرص و طمع، ظلم و ستم، قمار بازی، زنا کاری اور شراب نوشی عموماً

وہی لوگ کرتے ہیں جو معطل اور بے کار رہتے ہیں۔ جب تک انسان کی طبیعت اور دل و دماغ نیک اور مفید کام میں مشغول نہ ہوں گے، اس کا میلان بدی اور معصیت کی طرف رہے گا۔ پس انسان اسی وقت صحیح انسان بن سکتا ہے جب وہ اپنے وقت پر نگران رہے، ایک لمحہ بھی فضول نہ کھوئے۔ ہر کام کے لیے ایک وقت اور ہر وقت کے لیے ایک کام مقرر کردے۔

وقت کی قدر اور اس کا درست استعمال

وقت ایک ایسی زمین ہے کہ اگر اس میں سعی کامل کی جائے تو پھل دیتی ہے، بے کار چھوڑ دی جائے تو خاردار جھاڑیاں اگاتی ہے۔ وقت انسان کی بہترین پونجی اور گراں مایہ سرمایہ ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انسان جتنی بے دردی، لاپروائی اور بے فکری کے ساتھ وقت ضائع کرتا ہے، اپنی ملکیت کی کسی اور چیز کو اتنی بے دردی اور غفلت کے ساتھ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ مولانا اسلم شیخوپوری صاحب لکھتے ہیں: ''جو قومیں وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں وہ صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کرسکتی ہیں، وہ فضاؤں پر قبضہ کرسکتی ہیں، وہ عناصر کو مسخر کرسکتی ہیں، وہ پہاڑوں کے جگر پاش پاش کرسکتی ہیں، وہ ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں، وہ زمانے کی زمامِ قیادت سنبھال سکتی ہیں لیکن جو قومیں وقت کو ضائع کردیتی ہیں وقت انھیں ضائع کردیتا ہے۔ ایسی قومیں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ وہ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے خسارے میں رہتی ہیں، وقت کا ضیاع ان کے ہاتھوں میں کشکولِ گدائی تھما دیتا ہے۔ اگر فضول کاموں سے ہم روزانہ ایک گھنٹہ بچاتے تو کسی بھی سائنس کو اپنے قابو میں لا سکتے تھے۔ اگر روزانہ ایک گھنٹہ حصولِ علم کے لیے وقف کر لیتے تو دس سال میں ایک حد تک باخبر عالم بن سکتے تھے۔ اگر روزانہ ایک کتاب کے دس صفحات کا مطالعہ کرتے تو سال بھر میں ساڑھے سات ہزار صفحات پڑھ سکتے تھے لیکن ہم نے وقت کی قدر نہ کی۔ ہم نے ناخلف اولاد کی طرح اس بیش بہا دولت کو اندھا دھند لٹا دیا، چنانچہ اسے لٹاتے لٹاتے ہم خود لٹ گئے، ہماری صحت لٹ گئی، ہماری زندگی لٹ گئی۔ لمحات کی قدر نہ کرنے سے منٹوں کا، منٹوں کی قدر نہ کرنے سے گھنٹوں کا، گھنٹوں کی قدر نہ کرنے سے دنوں کا، دنوں کی قدر نہ کرنے سے ہفتوں کا، ہفتوں کی قدر نہ کرنے سے مہینوں کا اور مہینوں کی قدر نہ کرنے سے سالوں کا ضائع کرنا ہمارے لیے آسان بن گیا ہے۔

ہم قہوہ خانوں، سینما ہالوں، نجی مجلسوں اور رقص و سرود کی محفلوں میں وقت ضائع کرتے ہیں، ہمارا کتنا ہی قیمتی وقت نکتہ چینی، بہتان بازی اور بے تحاشا سونے میں ضائع ہوجاتا ہے۔ اخلاق میں، علوم و فنون میں، ٹیکنالوجی میں، سائنس میں، معاشیات اور تسخیرات و ایجادات میں ہم اقوام عالم سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہماری اس پستی و ادبار کی ایک بہت بڑی وجہ وقت کا ضیاع اور اس کا غلط استعمال ہے۔''

مولانا رحمت اللہ سجانی ''مخزنِ اخلاق'' میں لکھتے ہیں: ''آپ مسرور ہوں یا مغموم، تکلیف اور تردد سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ کا وقت کبھی فارغ نہیں ہونا چاہیے، سستی نسوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح لوہے کو زنگ۔ زندہ آدمی کے لیے بیکاری زندہ درگور ہونا ہے۔ وقت روئی کے گالوں کی مانند ہے، اگر عقل و حکمت کے چرخے میں کات کر اس کے قیمتی پارچہ جات بنائے گئے تو کام میں آجائیں گے ورنہ جہالت کی آندھیاں اسے اڑا کر کہیں کا کہیں پھینک دیں گی۔ الغرض! وقت وہ سرمایہ ہے جو ہر شخص کو قدرت کی طرف سے یکساں عطا ہوا ہے۔ جو لوگ اس سرمائے کو معقول طور سے اور مناسب موقع پر کام میں لاتے ہیں، جسمانی راحت اور روحانی مسرت انھی کو نصیب ہوتی ہے۔ وقت ہی کے صحیح استعمال سے ایک وحشی مہذب بن جاتا ہے اور مہذب، فرشتہ سیرت۔ اس کی برکت سے جاہل عالم، مفلس تونگر اور نادان دانا بنتے ہیں۔ وقت ایک ایسی دولت ہے جو شاہ و گدا، امیر و غریب، طاقتور اور کمزور سب کو یکساں ملتی ہے۔''

ایک بہت بڑا دھوکا

ایک بہت بڑا دھوکا و فریب جو انسان کو وقت ضائع کرنے پر ندامت اور افسوس سے بچاتا رہتا ہے وہ لفظ ''کل'' ہے۔ داناؤں کے رجسٹر میں ''کل'' کا لفظ کہیں نہیں ملتا۔ یہ ایسے لوگوں کے استعمال میں آنے والی چیز ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ کامیابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر ''کل'' کے تعاقب میں کھودی۔ حیف ہے ان بدنصیب انسانوں پر جن کی تجاویز صرف اس ''کل'' کے



لفظ نے پوری نہ ہونے دیں، لفظ ''کل'' نالائق کاہلوں کی جائے پناہ ہے۔ آج کا کام کل پر مت چھوڑیں، جو کام وقت پر آسانی سے کیا جاسکتا ہے وہ ہفتوں اور مہینوں تک پڑا رہنے سے وبالِ جان معلوم ہونے لگتا ہے کہ غفلت ہر روز ناطاقتی بڑھاتی رہتی ہے، مثل مشہور ہے کہ ''وقت پر ایک ٹانکہ سو ٹانکوں سے بچالیتا ہے۔''

کامیابی کے اصول

ہر انسان کی خواہش ہے کہ وہ عظیم مقاصد کے لیے زندگی بسر کرے اور کامیابی اس کے قدم چومے تو اس کے لیے چند تدابیر اور رہنما اصول ذکر کیے جاتے ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر انسان کامیاب زندگی بسر کرسکتا ہے۔

تعلق باللہ

انسان کی تخلیق کا مقصد بندگیٔ الٰہی ہے۔ جو شخص ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے آگاہی حاصل نہیں کرتا اور اس کے حضور حاضری کے آداب سے آگاہ نہیں ہوتا وہ اپنی شخصیت کے بارے میں بھی کبھی درست رائے قائم نہیں کرسکتا۔ اور جو اپنی ذات ہی کو نہیں سمجھتا وہ درست سمت سفر کا آغاز نہیں کرسکتا، منزل تک رسائی اور کامیابی تو بڑی دور کی بات ہے۔ البتہ معرفت الٰہی سے غفلت کا شکار ہوکر انسان کبر وغرور میں مبتلا ہوجاتا ہے اور شیطان کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ لہٰذا کامیابی کا اولین سبب عجز وانکسار اور تواضع ہے جو معرفتِ الٰہی اور عبادت سے حاصل ہوتی ہے۔ جب اپنی حقیقت واضح ہوگی تو اللہ کی عظمت کا اعتراف ہوگا۔ اللہ کی عظمت وجلالت کا اعتراف ہوگا تو وہاں سے کچھ میسر آئے گا۔

ہمارے اسلاف کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا تھا؟ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ جیل میں قید کے دوران فرمایا کرتے تھے: ''میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میرا سینہ میرا باغ ہے، قتل شہادت ہے اور جلاوطنی سیر وتفریح ہے۔ اگر یہ قلعہ سونے سے لبریز میرے مخالفین کو مل جائے تو انھیں اتنی خوشی نہیں ہوگی جتنی مجھے ان مصائب میں مل رہی ہے، اس لیے کہ جیل میں مجھے فراغت نصیب ہے جسے میں عبادت میں صرف کرتا ہوں۔''

آپ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''میں قیدی نہیں، قیدی وہ ہے جس کا دل اللہ کی یاد سے خالی ہو اور ہوا وہوس میں جکڑا ہوا ہو۔''

آپ رحمہ اللہ جیل میں اکثر یہ دعا مانگتے: ''اے اللہ! مجھے تیری عبادت واطاعت کے لیے جو فرصت میسر آئی ہے، اسے باقی رکھ۔''

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ آپ رحمہ اللہ نمازِ فجر کے بعد چاشت تک یادِ خدا میں مصروف رہتے اور فرماتے: «هٰذَا غَدْوَتِي وَلَوْ لَمْ اَتَغَدَّ هٰذِهِ الْغَدْوَةَ لَسَقَطَتْ قُوَايَ» ''یہ میرا ناشتہ ہے اور اگر میں نے یہ نہ کیا تو میرے اعصاب کمزور ہوجائیں گے۔'' (الرد الوافر: 49/1)

بامقصد زندگی

اس دنیا میں نہ اپنی مرضی سے آمد ہے اور نہ اپنی خواہش سے جانے کا سفر۔ آنے والے کو مالکِ حیات لایا تو آیا، مالکِ قضا جب چاہے گا لے جائے گا۔ پھر کہاں اپنی مرضی سے آنا اور جانا ہوا! اس راہ کے مسافر کے اختیار میں اگر کچھ ہے تو وہ آنے اور جانے کے درمیان عمرِ فانی کے ان لمحات کا مرحلہ ہے جس کا ظرف تعمیر وتخریب، آبادی وویرانی اور خار وگل ہر دو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اب یہ ہر ایک کا اختیاری معاملہ ہے کہ وہ تعمیری پہلو کا انتخاب کرکے اپنے لیے فلاح وکامیابی اور تعمیر وآبادی کا سامان کرتا ہے یا وہ اس کے سیم وتھور کے خارزار میں قدم رکھ کر خود اپنی بربادی اور ویرانی کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ اول الذکر سعادت مندوں کی راہ اور مؤخر الذکر محروم نصیب لوگوں کا راستہ ہے۔ اسی طرح کی بے مقصد زندگی گزارنے والوں کے بارے میں شاعر نے کیا خوب کہا: ؎

کیا کہیں؟ احباب کیا کارہائے نمایاں کرگئے
بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مرگئے

شاہراہِ زندگی پر کامیابی کے ساتھ چلنے کے لیے مستقبل کا واضح، ٹھوس لائحہ عمل اور اپنے مقصد کے ساتھ سچی لگن اور تڑپ ازحد ضروری ہے۔ اپنی ذات سے بالاتر ہوکر منزل (ٹارگٹ) کا تعین کیا جائے وگرنہ بقول کالم نگار عرفان صدیقی صاحب: ''جب سوچ کے سارے راستے دنیوی مفادات کی منزلوں کی طرف نکل جائیں اور انسان کی نگاہ دور کے منظروں سے ہٹ کر سامنے بچھے دسترخوانوں تک محدود ہوکر رہ جائے تو اس کی پوری شخصیت دنیاداری کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے، مادیت کا طلسم اس کے افکار واعمال کو پوری گرفت میں لے لیتا ہے اور ذرا ذرا سے لذائذ اس کا انتہائے مقصود

بن جاتے ہیں۔ جب انسان ایسے آشوب میں مبتلا ہوجائے تو اس کے پَر خود بخود جھڑنے لگتے ہیں۔ اس کے لہو کی حرارت پر برف گرنے لگتی ہے۔ اس کے ایمان و یقین کے قلعے کمزور ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور اس کے دست و بازو کی توانائی خود بخود کسمسانے لگتی ہے۔ یہ کیفیت ہولے ہولے شیروں کو بھی روباہی سکھانے لگتی ہے اور انھیں اپنی ایسی جبلی خصوصیات سے محروم کردیتی ہے جو ان کے رعب، وقار، دبدبے اور عظمت کی علامت ہوتی ہیں۔''

مشہور کالم نگار جاوید چوہدری لکھتے ہیں:

''دنیا میں کوئی شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتا جب تک وہ اپنی زندگی کا کوئی مقصد طے نہیں کرتا اور زندگی میں صرف وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جن کے مقاصد دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔''

پاکیزگیٔ کردار

بلند رکھنا نظر اپنی، خیال اپنا، وقار اپنا
نہ ڈگمگائیں قدم تیرے کچھ ایسا رکھنا شعار اپنا

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ''ذمّ الہویٰ'' میں لکھتے ہیں: ''شریف آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفس کو اپنے دشمن (خواہش) کے ماتحت زندگی بسر کرنے اور اس کی سختیاں سہنے سے ہردم شرم و عار دلاتا رہے اور نفس کے اندر غیرت کی ایک آگ سی لگادے۔ دشمن (خواہش) کے ماتحت غلامی ولعنت کی زندگی بسر کرنے سے تو زندہ درگور ہونا ہی بہتر ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ کبھی شیطان کے قابو میں نہیں آسکے گا کیونکہ جب شیطان انسان کو کمزور ہمت، ضعیف العزیمت اور مائل بہ خواہشات دیکھتا ہے تو اسے امیدیں لگنے لگتی ہیں اور جھٹ اس پر سوار ہوجاتا ہے اور لگام دے کر جدھر چاہے دوڑائے پھرتا ہے مگر جب اس میں عزم و استقلال، قوتِ ارادہ، شرافتِ نفس اور علوِ ہمت محسوس کرتا ہے تو اس کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں، اور سامنے نہیں آسکتا، پھر اگر داؤ چلاتا بھی ہے تو قلیل اور وہ بھی چھپ کر۔''

جب انسان اپنے دامنِ عفت کو گناہ سے آلودہ کرتا ہے تو نتیجتاً دل پر سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ نہ کرے تو آہستہ آہستہ سارا دل سیاہ ہوجاتا ہے، دل اور جسم میں کمزوری پیدا ہوجاتی ہے، دل سے شرم و حیا اور غیرت وحمیت ختم ہوجاتی ہے، ایک برائی دوسری برائی کا سبب بن جاتی ہے، دل سے برائی کا تصور اور نفرت ختم ہوجاتی ہے، برائی عادت ومعمول بن جاتی ہے حتی کہ گناہوں کے ارتکاب، برائیوں میں استغراق اور مسلسل پیش رفت سے افراد اور اقوام بعض اوقات کفر والحاد تک پہنچ جاتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں: ''راگ و ساز سے طبیعت میں شورش، شہوت میں ابھار، عورتوں کی طرف میلان، بیہودگیٔ نفس، حماقت زدگی، بے چینی، چھچھورا پن اور کمینگی پیدا ہوتی ہے۔''

یوسف اصلاحی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''آداب زندگی'' میں لکھتے ہیں: ''ضبطِ نفس کی عادت ڈالیے۔ اپنے خیالات، جذبات، خواہشات اور شہوات پر قابو رکھیے۔ اپنے دل کو بہکنے، خیالات کو منتشر ہونے اور نگاہ کو آوارہ ہونے سے بچایئے۔ خواہشات کی بے راہ روی اور نظر کی آوارگی سے قلب و دماغ، سکون و عافیت سے محروم ہوجاتے ہیں اور ایسے چہرے جوانی کے حسن و جمال، ملاحت و کشش اور مردانہ صفات کی دلکشی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اور پھر وہ زندگی کے ہر میدان میں پست ہمت، پست حوصلہ اور بزدل ثابت ہوتے ہیں۔''

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے

تحقیق کی جستجو

دستار کے ہر پیچ کی تحقیق ہے لازم
کہ ہر صاحب دستار معزز نہیں ہوتا

تحقیق روشنی ہے کیونکہ تحقیق کی جستجو محقق کو صحیح منزل تک پہنچا دیتی ہے، ضروری ہے کہ ہر چیز کو آنکھیں بند کرکے لے لینے اور عمل پیرا ہوجانے کے بجائے چھان بین کرلی جائے۔ محض عظمتوں کی بنیاد پر نگاہیں نیچی نہیں کرلینی چاہییں۔ اگر اعتماد کی نگاہ سے ہی دیکھو گے تو کچھ حاصل نہ کرپاؤ گے۔ اس لیے تحقیق وجستجو کی نگاہ سے دیکھو، تنقیدی نظر سے پرکھو، عدل کے ترازو میں تولو، حقیقت کے پیمانے میں ماپو، کھرے کھوٹے کا موازنہ کرو تو حقیقت وسچائی نکھر کر سامنے آجائے گی۔

محنت، صحت اور تسلسلِ عمل

مٹادے اپنی ہستی کو گر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

اگر کچھ بننا چاہتے ہو تو تن آسانی چھوڑ کر محنت کرنا ہوگی، البتہ صحت کا خیال رکھنا بھی

مطلوبِ شرع اور فطری امر ہے کیونکہ انسانی جسم کی صحت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ ذہن و دماغ کی صحت اسی وقت برقرار رہتی ہے جب جسم کی نعمت سے مالا مال ہو۔ وقت کی رفتار سے بھرپور فائدہ زندگی کے صحت مند ہونے ہی کی صورت میں ممکن ہے۔ انسان اگر امراض اور بیماریوں کا شکار ہوجائے، جسم افسردگی کی آفت میں مبتلا ہو، دل کا چمن مرجھایا ہو تو زندگی کا لطف جاتا رہتا ہے اور حیات کا ہر منظر خزاں کا شکنجہ محسوس ہوتا ہے۔ زندگی دل کے جینے سے عبارت ہے اور دل افسردہ کو بلبل کی شیریں نوائی بھی غم کے نالے اور قمریوں کی خوش الحانی حزن والم کا فغاں معلوم ہوتی ہے۔ جسم و دل اداس ہو تو پھولوں کی نکہت اور باغ کی زینت بھی اداسی کا نشان و علامت دکھائی دیتی ہے۔ یہ جو جان و دل عطا کیے گئے ہیں امانت ہیں، ہر امانت حفاظت کا حق رکھتی ہے اور اس کی ادائیگی کا جائز مطالبہ کرتی ہے۔ وقت اور زندگی سے تعمیری کام لینے کے لیے جسمانی صحت کی حفاظت اور اس کا خیال رکھنا ایک فطری اور ضروری امر ہے۔

وہ کام جو صحت کو متاثر کرنے والے انہماک کی حد تک ہو پسندیدہ نہیں۔ تیز رفتار چل کر راہ میں غفلت کی نیند سونے والے خرگوش سے دھیمی چال چلنے والا وہ کچھوا جو منزل پر پہنچے بہرحال بہتر ہے، لہٰذا دھیمی دھیمی چال سے زندگی کی راہ گزر با آسانی طے ہوسکتی ہے، جنھیں تیز روی پر ناز ہوتا ہے وہ عموماً منزل پر کم ہی پہنچ پاتے ہیں۔ پانی کا وہ قطرہ جو ہمیشہ ٹپکتا ہے پتھر کے سخت سینے میں بھی شادابی کا اثر پیدا کرلیتا ہے، اس پُرشور برساتی ندی سے بہتر ہے جو چند لمحوں کے ہنگامے کے بعد ختم ہوجائے۔ دانائے سبل، ختم الرسل، ہادیٔ کل ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو وہ عمل محبوب ہے جو دائمی ہو اگرچہ مقدار میں کم ہو۔'' (صحيح البخاري: 5861، وصحيح مسلم: (218)-(783)

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ہماری ناکامی کا اصل سبب کیا ہے؟ یہ ہے کہ ہم آندھی کی طرح آتے ہیں اور بجلی کی طرح گزر جاتے ہیں۔ ہم کو دریا کے اس پانی کی طرح ہونا چاہیے جو آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور سالہا سال میں کناروں کو کاٹ کر اپنا دہانہ وسیع کرتا جاتا ہے، کامیابی مسلسل اور پائیدار کوشش میں ہے۔''

نظام الاوقات

شب و روز کے اوقات کے لیے ایک نظام عمل متعین کرنے، آنے والے وقت کے لیے ایک مخصوص عمل کا پروگرام بنانے اور زندگی کے تمام اوقات کے لیے کاموں کی ترتیب و تشکیل کے عمل کو نظام الاوقات کہا جاتا ہے۔ ہر انسان کے ذمہ مختلف امور کی ادائیگی ہوتی ہے، ان امور کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونے کی آسان، سہل اور بہترین صورت یہی ہے کہ انسان پہلے سے ایک نظام عمل تشکیل دے اور اس پر پابندی سے عمل پیرا ہو۔

اوقات کا یہ نظام بناتے ہوئے کاموں کی تقدیم و تاخیر کی ترتیب میں وقت اور کام دونوں کی نوعیت اور کیفیت کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ کون سا عمل کس وقت زیادہ بہتر طریقے سے ادا ہوسکتا ہے اور کون سا وقت کس عمل کے لیے زیادہ سازگار ماحول فراہم کرتا ہے۔ جو کام زیادہ نشاط، طبیعت کی تازگی اور ذہن و دماغ کی توجہ کا تقاضا کرتا ہو، اس کی ادائیگی کے لیے وقت کا انتخاب بھی ایسا ہونا چاہیے جب انسان کی طبیعت میں تازگی اور نشاط ہو۔

زندگی کو نظام الاوقات کا پابند بنانے سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب پہلے سے ایک پروگرام طے ہوگا اور آنے والے وقت کے لیے ایک نظام عمل مقرر ہوگا تو اس وقت کی آمد پر انسان کی توجہ ازخود اس کام کی ادائیگی کی طرف مبذول ہوگی اور یوں وقت کسی قسم کے تردد اور سوچنے میں ضیاع کا شکار نہیں ہوگا۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے سبب ہر کام اپنے مقررہ وقت میں پوری دلجمعی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جب انسان کے ذمہ بہت سے کام ہوں اور ان کے لیے اوقات کا نظام مقرر نہ ہو تو ایک کام کی ادائیگی کے وقت دل دوسرے کاموں میں اٹکا رہتا ہے اور یوں انسان کی طبیعت انجانی سی الجھن کا شکار رہتی ہے۔

احتساب

کیا کھویا اور کیا پایا؟ کتنا فائدہ ہوا اور کتنا نقصان؟ اس کے پرکھنے کی کسوٹی احتساب کا عمل ہے، چاہے وہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر۔ شب و روز ضائع جانے والے اوقات پر ایک حسرت پیدا ہوتی ہے اور حسرت کے داغ اکثر نشانِ منزل ہوتے ہیں، یوں کہ اس سے آئندہ وقت کو ضیاع سے بچانے کے لیے ایک عملی جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔ (ملخصاً: متاعِ وقت، ابن الحسن عباسی)

عزیز طلبہ!

اپنے اندر مطالعہ کی عادت ڈالیے، علم سے محبت، کتاب سے دوستی، اساتذہ کا احترام اور وقت کی پابندی کیجیے۔ نماز کی ادائیگی، دعا اور تلاوتِ قرآن کا اہتمام کیجیے۔ راستہ آسان اور منزل پر پہنچنا سہل ہوجائے گا۔

یاد رکھیے! بسیار خوری، کثرتِ نیند، فضول گفتگو اور وقت کا ضیاع طالب علم کو سست، کاہل اور کام چور بنادیتے ہیں، نتیجتاً راستہ طویل اور منزل سراب بن جاتی ہے۔

اے نوجوانانِ ملت اور طلبۂ اسلام!

مقدر کا نہ کر شکوہ تدبّر آزماتا جا
نہ ڈر منزل کی دوری سے قدم آگے بڑھاتا جا

آیئے! سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ پڑھتے ہیں جو انھوں نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تھے: ''آپ ہی کو اپنی قوم کی تعمیر کرنی ہے، اگر آپ کو اپنی قوم کی عظیم صلاحیت اور قیمت کا احساس پیدا ہوجائے اور آپ کے دل میں اسلام کی زندگی کی صلاحیت اور اس کی اندرونی طاقت اور اس کی افادیت پر اعتماد ہوجائے تو آپ نے سب کچھ پالیا۔ یہ محبوبیت و اعتماد احیائے ملت، اعلائے کلمۃ اللہ اور بے لوث و بے غرض خدمت کا مقام ہے جو تاریخ میں بڑے نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ملک اس ذہنی، اخلاقی اور طبقاتی کشمکش سے بھی نجات پائیں گے جس میں ان قومی رہنماؤں نے ان کو بالکل غیر ضروری طریقوں میں مبتلا کردیا ہے، جو ان قوموں کے مزاج، معتقدات و روایات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

آپ اپنی اور اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے آشنا بنیے، خود اپنی ہستی، اپنی ترقی اور فتوحات کے عظیم اور وسیع امکانات کے انکشافات کیجیے اور اپنی نامعلوم دنیا کو دریافت کرکے ایک انقلاب پیدا کیجیے۔''

اٹھیے! نئے عزم کے ساتھ، زمانہ آپ کے قدموں کی چاپ کا منتظر ہے۔

ان اندھیروں سے کہہ دو کہیں اور ٹھکانہ کرلیں
ہم نئے عزم کے ساتھ بنیادِ سحر رکھتے ہیں

تعلیم تبلیغ تربیت

بعثتِ مصطفیٰؐ کا مقصد • توحید و آخرت • تلاوتِ آیات • تفہیم کتاب • تعلیم حکمت • تزکیۂ نفس • غلبۂ دین

امتی کی ذمہ داریاں ختم نبوت کا تقاضا: حضورؐ کی آمد کا مقصد پورا کرنے کیلئے امتِ مصطفیٰؐ مسلسل انبیاء والا کام کرتی رہے۔
امت وسط اور خیر امت کی حیثیت سے تمام انسانوں پر شہادت امر بالمعروف اور نہی عنِ المنکر، دین کامل اور اقبال کا مردِ مومن

یہ کام کیسے ہو؟ تقویٰ اور تزکیۂ نفس کیلئے مسلسل تربیت، ذاتی اصلاح، اہلِ خانہ کی تربیت اور ماحول کی بہتری کی خاطر ایک اچھا مبلغ اور مصلح بننے کیلئے قرآن و سنت کی روشنی میں

مفت کتابیں
بلا معاوضہ اصلاحی تربیت

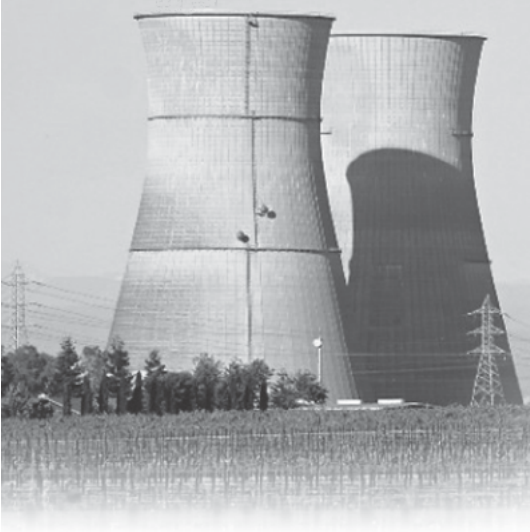
مُربّی بنئے
(جامع دینی تعلیم اور مسلسل روحانی تربیت)

ملک اور بیرونِ ملک سے
خواتین و حضرات کیلئے

دعوت فاؤنڈیشن پاکستان

مکان نمبر 1، STI کالونی پلاٹ نمبر 7 سیکٹر H-9 اسلام آباد فون: 051-4444266، موبائل: 0323-5131416
0313-8484860
ای میل: anfides@gmail.com

محمد ارسلان حجازی



ایٹمی توانائی کے تعمیری مقاصد!!

28 مئی یوم تکبیر کے موقع پر

ڈاکٹر سلطان بشیر الدین (سابق ڈائریکٹر کہوٹہ ایٹمی پلانٹ) کا فکر انگیز انٹرویو

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! یہ فرمائیں کہ ایٹمی ہتھیار امن کی علامت ہیں یا انسانیت کے لیے موت کا پیغام ہیں؟

ڈاکٹر صاحب ہر وہ ہتھیار جو دنیا میں بنایا گیا جنگ کی علامت ہے۔ امن کے لیے کوئی ہتھیار نہیں بنایا گیا۔ ایٹمی ہتھیار بھی جنگ کے لیے بنائے گئے ہیں۔ جنگ عظیم دوم میں یہ استعمال بھی ہوئے۔ استعمال سے واضح ہو گیا تھا کہ یہ مہلک ہتھیار کس لیے بنائے گئے ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد ایٹمی ہتھیار بنانے کی دوڑ لگ گئی۔ روس، برطانیہ، فرانس، چین، اسرائیل، کینیڈا، بھارت اور پاکستان نے یہ ہتھیار بنائے۔ جب روس اور امریکہ کے درمیان سرد جنگ جاری تھی، امریکی صدر کینڈی کا زمانہ تھا۔ کیوبا کا بحران جاری تھا۔ روس اور امریکہ اس بحران کے دو فریق تھے۔ امریکہ نے اس بحران سے نمٹنے اور روس کو سبق سکھانے کے لیے جنگ عظیم دوم کی طرح ایک بار پھر ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس وقت کا روسی صدر اگرچہ بڑا جابر حکمران تھا مگر وہ امریکہ کی اس دھمکی کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور کیوبا کے معاملے میں پسپا ہو گیا۔ اس طرح دنیا ایٹمی جنگ سے بچ گئی۔ الغرض ایٹمی ہتھیار جنگ کے لیے ہی بنائے جاتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ 20 جنوری 1972ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے ملتان میں ایک پریس کانفرنس کی تھی۔ اس پریس کانفرنس میں مسٹر بھٹو نے جہاں ایٹمی ہتھیار بنانے کا اعلان کیا وہاں یہ بھی کہا تھا کہ اپنا حق لینے کے لیے بھارت سے ہمیں ہزار سال بھی لڑنا پڑا تو لڑیں گے۔ 1972ء کے بعد سے کم از کم دو دفعہ ایسے ہو چکا ہے کہ بھارت نے پاکستان پر حملے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک دفعہ ضیاء الحق کے دور میں حملے کا فیصلہ کیا۔ ضیاء الحق نے جواب میں کہا تھا کہ اگر بھارت نے ہم پر حملہ کیا تو ہم ایٹمی ہتھیاروں سے جواب دیں گے۔ ضیاء الحق کے اس دوٹوک اعلان پر بھارت کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

قرآن کریم میں ہے کہ تم اپنے جنگی گھوڑے دشمن کے لیے ہر وقت تیار رکھو۔ اللہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ہتھیاروں سے دشمنوں کے دلوں پر تمھارا رعب پڑ جائے گا اور وہ فتنے سے باز آجائیں گے۔ ایٹمی ہتھیار جنگ کی قوت کا مظہر ہیں۔ جب دشمنوں سے خطرہ ہو تو ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ طاقت کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ طاقت امن کا ذریعہ بن جائے اور دشمن حملہ کرنے سے باز رہے۔ اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ ایٹمی ہتھیار امن کی علامت بھی ہیں اور جس طریقے سے امریکہ نے انھیں استعمال کیا وہ جنگ کی علامت ہے۔ گویا دونوں باتیں ساتھ ساتھ ہیں۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! ایٹمی ہتھیاروں کے بنائے جانے کی تاریخ سے مختصراً آگاہ فرمائیں!

ڈاکٹر صاحب ایٹم کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اگر اس کی تفصیل میں جائیں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ مختصراً یہ کہ آئن سٹائن پہلا سائنسدان ہے جس نے مادہ اور توانائی میں تعلق دریافت کیا۔ اس سلسلے میں آئن سٹائن کا فارمولہ $E=MC^2$ گزشتہ صدی کی بہت بڑی دریافت تھی۔ اس فارمولے میں E سے مراد Enerjy (توانائی) M سے مراد Matter (مادہ) اور C سے مراد ہے روشنی کی رفتار۔ اس فارمولے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انرجی اور مادے میں تعلق مساوات کی بنیاد پر رکھا ہے کہ انرجی برابر ہے روشنی کی رفتار کے، روشنی کی رفتار تین لاکھ کلو میٹر فی سیکنڈ ہے۔ اس تھیوری کی بنیاد ابتدائے کائنات کے اس واقعہ پر ہے کہ ایک دھماکہ ہوا، اس دھماکے



میں اللہ تعالیٰ نے جو مادہ پیدا کیا وہ انرجی میں بدل گیا۔ گویا کائنات میں جو پہلا ایٹم بم پھٹا وہ (Creation Of The Universe) تخلیق کائنات کا تھا۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! آگے چلنے سے پہلے میں یہاں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہوں گا کہ تخلیق کائنات ایک مثبت عمل ہے۔ آپ بتا رہے ہیں کہ کائنات کی تخلیق ایٹم بم پھٹنے سے ہوئی، کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایٹم بم کا اصل استعمال مثبت ہے جسے فی زمانہ منفی بنا دیا گیا ہے؟

ڈاکٹر صاحب ہاں! آپ کی یہ بات درست ہے اور بہت اچھا سوال ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ نواز شریف کے گزشتہ سے پیوستہ دور میں CTBT پر دستخط کا بہت شور اٹھا تھا۔ اس وقت ڈاکٹر اے کیو خان، ڈاکٹر اشفاق احمد اور بہت سے سیاستدانوں کی رائے تھی کہ ہمیں CTBT پر دستخط کر دینے چاہئیں۔ میرا موقف یہ تھا کہ ہمارا ایٹمی ہتھیاروں کا ٹیسٹ اس لیے نہیں کہ ہم ایٹم بم بنانا چاہتے ہیں بلکہ ہمارا ملک توانائی بحران کا شکار ہے۔ پانی کی شدید قلت اور اس جیسے دیگر مسائل ہیں۔ ان تمام مسائل سے ہم ایٹمی نیوکلیئر کے ذریعے ہی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ایٹمی نیوکلیئر توانائی بحران سے نمٹنے کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ جب زیر زمین ایٹمی دھماکہ کیا جائے تو زمین اندر سے پگھل جاتی ہے اور ایک بہت بڑا پیالہ بن جاتا ہے۔ میں اپنی بات کی وضاحت اس مثال سے کرنا چاہوں گا کہ ہمیں چولستان میں پانی کی ضرورت ہے مگر ہم چولستان کے صحرا میں زمین کے اندر دو تین کلومیٹر ایٹمی دھماکہ کریں تو وہاں ایک بہت بڑا پیالہ بن جائے گا جس میں کروڑوں ٹن پانی جمع ہو جائے گا۔ یہ پانی 5، 6 سال بعد استعمال کے قابل ہو جائے گا۔ اسی طرح صحرائے تھر میں پانی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جن علاقوں میں کوئلہ بہت زیادہ زمین کی گہرائی میں ہے وہاں زیر زمین ایٹمی دھماکہ کیا جائے تو کوئلہ اوپر آ جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے زیر زمین گیس کے ذخائر ختم ہو رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ ذخائر ان پیکٹوں سے ختم ہو رہے ہیں جہاں یہ جمع تھے۔ اگر ان علاقوں میں زیر زمین ایٹمی دھماکہ کیا جائے تو زمین کے اندر کئی دراڑیں پیدا ہو جائیں گی اور وہ گیس جو مختلف جگہوں میں چھپی ہوئی ہے، بند ہے یا بیٹھی ہوئی ہے، اسے راستے مل جائیں گے اور گیس کے کنوئیں دوبارہ بھر جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ڈیموں کی اشد ضرورت ہے۔ ڈیم جھیلوں پر بنائے جاتے ہیں اور بڑی بڑی جھیلیں پہاڑی علاقوں میں ایٹمی دھماکوں سے با آسانی بنائی جا سکتی ہیں۔ الغرض اس طرح کی متعدد مثالوں سے میں نے یہ بات ثابت کی تھی کہ ہمارا ایٹمی پروگرام ان مثبت اور تعمیری پروگراموں کے لیے جاری رہنا چاہیے اور ہمیں CTBT پر دستخط نہیں کرنے چاہئیں۔ میں نے اپنا یہ مضمون مسلح افواج کے سربراہان کو بھیجا۔ نیشنل ڈیفنس آف وار کالج اسلام آباد میں اس موضوع پر لیکچر دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری یہ بات محبِ وطن لوگوں کی سمجھ میں آ گئی اور ہمارے حکمران CTBT پر دستخط کرنے سے بچ گئے۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! اب ہم اپنے پچھلے سوال، یعنی ایٹمی ہتھیاروں کی تاریخ کی طرف واپس چلیں گے۔ آپ آئن سٹائن کے فارمولے کی بات کر رہے تھے؟

ڈاکٹر صاحب ہاں! آئن سٹائن کے اس فارمولے کے تحت یہ اصول دریافت ہوا کہ اگر مادہ انرجی میں تبدیل ہو جائے تو انرجی کی طاقت کئی گنا بڑھ سکتی ہے۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ دھماکہ کیا ہوتا ہے؟ جب بہت زیادہ انرجی جمع ہو جائے تو دھماکہ ہوتا ہے۔ جب آئن سٹائن کا یہ فارمولہ دریافت ہو گیا تو پھر دو آراء سامنے آئیں۔ ایک رائے یہ تھی کہ اسے انسانوں کی خوشحالی کے لیے استعمال کیا جائے اور دوسری رائے یہ تھی کہ اسے جنگ کے لیے استعمال کیا جائے لیکن کیسے استعمال کیا جائے؟ اس حقیقت کو سمجھتے سائنسدانوں کو 40 سال لگ گئے۔ واضح رہے کہ آئن سٹائن نے 1904ء میں فارمولہ دریافت کیا تھا۔ 1904ء سے 1940ء تک اس پر تحقیق ہوتی رہی۔ 1940ء میں ایٹم بنایا گیا اور اگست 1945ء میں جاپان کے دو شہروں پر ایٹم بم گرا کر ان کی ہلاکت خیزی کا تجربہ کیا گیا۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! آپ نے فرمایا ہے کہ ایٹمی صلاحیت دو کاموں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جنگوں کے لیے بھی اور توانائی بحران پر قابو پانے کے لیے بھی۔ پاکستان ایٹمی بم بنا چکا ہے۔ دھماکہ بھی کر چکا ہے مگر پاکستان میں توانائی کا بحران شدید سے شدید تر ہو رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ڈاکٹر صاحب اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں ایٹمی اسلحہ سازی کا کام بھارتی جارحیت اور ملک کے دفاع کو مدنظر رکھ کر شروع کیا گیا تھا اور ابھی تک یہ انہی بنیادوں پر ہو رہا ہے۔ ایٹم بم بنانا بلاشبہ پاکستان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ نیوکلیئر صلاحیت کا استعمال ملک



کی زرعی خود کفالت کے لیے بھی کیا جائے۔ میں 1970ء سے اس طرف توجہ دلا رہا ہوں کہ ایٹمی بجلی گھر بنائے جائیں۔ پہلے یہ پروگرام بنا تھا کہ کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ کا ایک جدید ایڈیشن بنایا جائے کیونکہ اس کا ہمیں تجربہ بھی ہے اور بنانا آسان بھی ہے۔ مگر بات اسی جگہ آجاتی ہے کہ ملک کا دفاع ہمیشہ ہماری پہلی ترجیح رہا ہے اور پرامن مقاصد کے لیے نیوکلیئر صلاحیت کا استعمال دوسری ترجیح ہے۔ مزید یہ کہ ہمارے پاس وسائل اور تجربہ کار افراد بھی کم ہیں، اس لیے اس پر کماحقہ کام نہیں ہو سکا۔ البتہ خوشاب کا ری ایکٹر اسی مقصد کی خاطر لگایا گیا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہم اعلیٰ قسم کا پلوٹونیم تیار کر سکیں۔ پلوٹونیم چھوٹے اور خصوصی بم بنانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ بھارت کو پلوٹونیم کی سہولت امریکہ اور کینیڈا نے 1962ء میں دے دی تھی۔ 1974ء میں بھارت نے Smiling Buddha (مسکراتا بدھا) کے نام سے جو ایٹمی دھماکہ کیا وہ اسی پلوٹونیم سے تیار کیا گیا تھا۔ 88-1987ء میں پاکستان نے فیصلہ کیا کہ یورینیم 235 کا بم بنایا جائے۔ یہ وہی بم ہے جس کا دھماکہ پاکستان نے 28 مئی 1998ء کو کیا تھا۔ یہ بم کہوٹہ ایٹمی پلانٹ میں تیار کیا گیا اور میں الحمدللہ کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کا بانی ڈائریکٹر تھا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب میرے بعد اس پراجیکٹ کے ڈائریکٹر بنائے گئے۔ بات ہو رہی تھی یورینیم بم کی۔ یورینیم بم کو ڈرٹی بم بھی کہتے ہیں۔ اس بم کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ان سے ریڈیو ایکٹیوٹی (تابکاری شعاعیں) بہت زیادہ پھیلتی ہے۔ ریڈیو ایکٹیوٹی ایک ایسی گرد و غبار ہے جو جلد پر لگ جائے اور سانس کے ذریعے پھیپھڑوں میں چلی جائے تو انسان کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس پلوٹونیم بموں میں ریڈیو ایکٹیوٹیز کم ہوتی ہیں، ان سے پبلک کو کم نقصان پہنچتا ہے۔ صرف فائٹنگ آرمی کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ دفاع کے لیے پلوٹونیم Based ہتھیار نہایت کارآمد ہوتے ہیں۔ پاکستان کے مقتدر اداروں کو بھی اس بات کا احساس تھا، لہٰذا پلوٹونیم ہتھیاروں کی تیاری کا فیصلہ کیا گیا۔ آپ اسے اتفاق کہہ لیں یا میری خوش قسمتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوشاب میں پلوٹونیم Based ری ایکٹر بنانے کی سعادت بخشی۔ میں نے یورینیم Based کہوٹہ ایٹمی پلانٹ پر بھی کام کیا ہے۔ اس طرح میں دنیا کا شاید واحد سائنسدان ہوں جس نے پلوٹونیم اور یورینیم دونوں طرح کے ایٹمی پلانٹوں پر کام کیا ہے۔ یہاں میں آپ کو ایک دلچسپ بات بھی بتاتا چلوں کہ خوشاب کا پلوٹونیم پلانٹ سارے کا سارا پاکستان میں تیار کیا گیا ہے۔ اس سے دنیا کو یہ بتانا مقصود تھا کہ پاکستان کی انڈسٹری اور پاکستان کے ماہرین اتنے قابل ہیں کہ ملکی ذرائع استعمال کرتے ہوئے پرامن مقاصد کے لیے نیوکلیئر توانائی کے مکمل ری ایکٹر بنا سکتے ہیں۔ اب اللہ کے فضل سے پاکستان دنیا کے ان چند ممالک میں سے ہے جو ایٹم بم بھی بنا سکتا ہے اور ایٹمی ری ایکٹر بھی بنا سکتا ہے۔ بہرحال اس صلاحیت کو ابھی مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

ضیائے حدیث اسلحہ سازی میں مغرب کی برتری اور عالم اسلام کی پسماندگی کی کیا وجہ ہے؟ نیز مستقبل میں ہونے والی سائنسی تحقیقات میں آپ عالم اسلام کا کیا کردار دیکھ رہے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب اسلحہ سازی میں مغرب کی برتری کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کی صورتحال مجموعی طور پر بہت اچھی ہے۔ مغربی تہذیب سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم سے بہت آگے ہے۔ اسلحہ سازی بھی سائنس ٹیکنالوجی کا ہی حصہ ہے۔ مغرب نے ایک طرف سائنس ٹیکنالوجی میں ترقی کا سفر جاری رکھا اور دوسری طرف اسلامی دنیا کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھا۔ ان حالات میں اللہ نے پاکستان کو آزادی عطا فرمائی۔ باوجود اس بات کے کہ پاکستان ایک غریب ملک ہے مگر اس نے ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی۔ اسی طرح باقی اسلامی دنیا کو بھی چاہیے کہ وہ سائنس ٹیکنالوجی کی طرف آئے۔ گزشتہ دنوں اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں ایک کانفرنس ہوئی جس کا موضوع تھا: ''مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کے حقوق۔'' کانفرنس میں جو مقالہ میں نے پیش کیا اس کا موضوع تھا: ''سائنس و ٹیکنالوجی کی رو سے رسول اللہ ﷺ کے مسلم امہ پر حقوق۔'' میں نے اپنے مقالے میں واضح کیا تھا کہ ہمارے اوپر رسول اللہ ﷺ کے جو حقوق ہیں ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مضبوط کریں اور قوت و طاقت حاصل کریں۔ یہ قوت اور طاقت ہم سائنس و ٹیکنالوجی کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم سائنس کے ذریعے اللہ اور اس کی تخلیقات کو سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہم سے ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ محبت کا حق یہ ہے کہ ہم ان سب چیزوں کو اپنے استعمال میں لائیں۔ ان کو استعمال میں لانے کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی پر دسترس ضروری ہے۔ مقالے میں میں نے یہ بھی واضح کیا کہ مسلم



امہ کے تقریباً 57 ممالک ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اللہ نے ان ممالک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک وہ جن کے پاس افرادی قوت ہے، دوسرے وہ جن کے پاس معدنیات اور وسائل کی دولت ہے، مثلاً: پاکستان کے پاس افرادی قوت ہے۔ 20 کروڑ کی آبادی ہے۔ سب محنت کرنے والے، ذہین اور صحت مند ہیں۔ دوسری طرف عرب ممالک کے پاس تیل کی دولت اور مالی وسائل ہیں۔ اللہ کی منشا ہے کہ ہم سب اکٹھے ہو جائیں۔ افرادی قوت رکھنے والے اور معدنیات کی دولت سے مالا مال ممالک جب مل کر کام کریں گے، اپنے وسائل ایک دوسرے کے استعمال میں لائیں گے تو عالم اسلام ایک بہت بڑی طاقت بن جائے گا۔ کانفرنس میں میں نے ایک تجویز پیش کی جو آپ کے سوال کا جواب بھی ہے کہ ہمیں عرب ممالک کے ساتھ مل کر Joint Project بنانے چاہئیں۔ عالم اسلام کو چاہیے کہ وہ سمندروں کے نیچے معدنیات کو استعمال میں لائے اور سمندروں کی سطح پر بیٹھ کر کام کرے، اس کے لیے Deep Seas Research کی ضرورت ہے۔ سمندروں کے نیچے چلنے والی آبدوز بنائی جائیں۔ سمندروں کے اوپر رہائشی کالونیاں بنائی جائیں۔ مسلم امہ نے اس پر ابھی کوئی کام نہیں کیا، اپنی ریٹائرمنٹ سے پہلے میں نے ایک پراجیکٹ بنایا تھا کہ ایٹمی توانائی سے چلنے والی ایسی گاڑیاں بنائی جائیں جو سمندروں کے اوپر اور نیچے سفر کر سکیں۔ ان گاڑیوں کے ذریعے سے زیر سمندر معدنیات نکال کر انھیں اپنے استعمال میں لائیں۔ سمندر کے نیچے صرف معدنیات ہی نہیں Fish Wealth بھی ہے۔ ہم صرف سمندر کے اوپر Fishing کرتے ہیں سمندر کے نیچے Fish Wealth بہت زیادہ ہے نیز سمندر میں بڑے قیمتی اور گھنے جنگلات ہیں۔ یہ جنگلات اللہ نے انسانوں کے لیے بنائے ہیں۔ یاد رکھیں ایک وقت آنے والا ہے کہ جب مستقبل کا انسان اپنے تمام وسائل سمندر سے حاصل کرے گا۔ سمندروں پہ کام کرنے والی قومیں اپنے وقت کی اتنی ترقی یافتہ، طاقت ور اور مال دار ہوں گی جتنا آج کا یورپ ہے۔ اس کے علاوہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا ایک نقلاب آیا ہوا ہے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹیلی فون جو کبھی ٹیبل پر ہوتا تھا سفر کر کے اب آپ کی جیب میں آ گیا ہے۔ اس جیبی موبائل سے آپ دنیا میں جہاں چاہیں رابطہ کر سکتے ہیں، فوٹو گرافی کر سکتے ہیں، راستے معلوم کر سکتے ہیں، مزید بے شمار کام اس سے لیے جا رہے ہیں۔ موبائل فون ایک طرح سے پورا دماغ ہے، اس ٹیکنالوجی میں امہ کا کوئی Share نہیں ہے۔ امہ اپنے حال کے بارے میں جس غفلت کا مظاہرہ کر رہی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ دکھ کی بات ہے کہ مستقبل کے بارے میں بھی کچھ نہیں سوچا جا رہا۔ مستقبل قریب میں موجودہ دور کی یہ سب انفارمیشن ٹیکنالوجی بیکار اور ماضی کا حصہ بن جائے گی۔ موبائل کی جگہ ٹیلی فون Chip ''چپ'' انسان کی باڈی میں لگا دی جائے گی۔ یہ چپ باڈی سے ہی بجلی حاصل کرے گی۔ اسے On یا Off کرنے کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ آپ سوچیں گے کہ فلاں انسان سے بات کرنی ہے اور آپ کا اس سے رابطہ ہو جائے گا۔ چپ میں موجود کیمرے کے ذریعے آپ کا اپنے مطلوبہ شخص سے نہ صرف رابطہ ہو جائے گا بلکہ آپ اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ یہ ساری Development بائیو کمپیوٹر کے نام سے ہو رہی ہے۔ اس سے بھی بڑا اور خطرناک انقلاب (Bio Robotic Army) ''بائیو روبوٹک آرمی'' کے نام سے آ رہا ہے۔ پہلے مکینیکل روبوٹ بنائے گئے تھے۔ اب بائیو روبوٹ بنائے جائیں گے۔ آپ دیکھیں اکثر جڑواں بچوں کی عادات مشترکہ، سوچ ایک اور شکلیں ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ بائیو روبوٹ آرمی کی تھیوری اسی سے لی گئی ہے۔ جڑواں بچوں کی مشترکہ عادات پر کی گئی ریسرچ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جب باپ کا سپرم انڈے میں داخل ہوتا ہے تو اس سے سیل بنتا ہے اس سیل کو ماں کی بچہ دانی کی بجائے مکینیکل (مصنوعی) بچہ دانی میں ڈالا جائے گا۔ ماں کے پیٹ کے سارے پراسیس مکینیکل بچہ دانی میں موجود ہوں گے۔ ٹیوبوں کے ذریعے بچوں کو خوراک دی جائے گی۔ اب فرض کریں ایک آدمی سے آپ ایک لاکھ سیل لے کر مکینیکل بچہ دانیوں میں ڈال دیتے ہیں، ایک آدمی سے حاصل کردہ ایک لاکھ سیل سے پرورش پانے والے ایک لاکھ بچوں کی عمر، شکل، سوچ اور فکر ایک ہوگی۔ گویا ایک آدمی کی ایک لاکھ کاپیاں ہوں گی۔ تحقیق کے اس عمل کو سائنسدانوں نے Genetic Engineering کا نام دیا ہے۔ اس انجینئرنگ کے اگرچہ کچھ فائدے بھی ہوں گے مگر اس کے نقصانات بہت زیادہ ہوں گے۔ خطرناک اس طرح کہ جب ان انسانوں کے دماغوں میں ایک ایک چپ ڈال دی جائے گی۔ اس کے بعد جب ان کو کوئی کہنے والا کہے گا: March To The Left تو وہ سب بائیں چلنا



شروع ہو جائیں گے۔ جب ان سے کہا جائے گا: March To The Right تو وہ دائیں طرف چلنا شروع ہو جائیں گے۔ جب ان سے کہا جائے گا کہ کسی جگہ حملہ کر دو تو وہ حملہ کر دیں گے۔ دلچسپ بات یہ ہو گی کہ ان ایک لاکھ افراد کی سوچ کو پیچھے سے ایک ہی آدمی کنٹرول کر رہا ہو گا۔ بات یہاں تک ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ دنیا میں اس سے بھی ایک خطرناک Development ہو رہی ہے۔ Skylab (سکائی لیب) کا ذکر بہت سے لوگوں نے سنا ہو گا۔ سکائی لیب یہ ہے کہ زمین سے میٹریل لے کر Space (خلاء) میں بلڈنگ بناؤ، یعنی زمین اور چاند کے درمیان۔ یہ تجربہ کامیاب رہا۔ سکائی لیب کے کامیاب تجربات کے بعد اب Sky I land (سکائی آئی لینڈ) کے تجربات کیے جا رہے ہیں۔ آئی لینڈ میں ایٹمی ری ایکٹر لگائے جائیں گے اور بجلی پیدا کی جائے گی۔ وہاں کی بنی بجلی بغیر تاروں کے زمین پر استعمال ہو گی لیکن چونکہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی لگا ہوا ہے، جیسے بادلوں سے آنے والی بجلی بعض دفعہ زمین پر موجود اشیاء کو جلا دیتی ہے، ایسے ہی آئی لینڈ کے ری ایکٹر میں بیٹھا ایک فرد (وہ ایک بھی ہو سکتا ہے، دس، بیس یا ایک جماعت بھی) شہروں کے شہر جلا سکے گا۔ جب یہ وقت آئے گا تو تمام ملکوں کی آزادی اس فرد یا ان افراد کے ہاتھ میں ہو گی جو آئی لینڈ کے ایٹمی ری ایکٹر میں بیٹھے ہوں گے۔ آپ کا ابتدا میں سوال تھا کہ ایٹمی اسلحہ امن کی علامت ہے یا انسانیت کے لیے موت کا پیغام؟ میرا جواب یہ ہے کہ اگر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی اور ایٹمی اسلحہ پر مسلم امہ کی دسترس ہو تو یہ سب چیزیں امن اور خوشحالی کی ضمانت بن جائیں گی لیکن اگر ان پر شیطان صفت لوگوں کا کنٹرول ہوا تو دنیا جہنم بن جائے گی۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ مسلم امہ کو سائنس ٹیکنالوجی اور ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرنی چاہیے۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! یہ فرمائیں کہ کیا دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے لیے ایٹم بموں کا استعمال ضروری ہو گیا تھا؟

ڈاکٹر صاحب ہیروشیما 2 لاکھ 70 ہزار آبادی کا شہر تھا اور ناگاساکی کی آبادی تقریباً 1 لاکھ 75 ہزار تھی۔ ہیروشیما پر امریکی افواج نے 6 اگست 1945ء کو ایٹم بم گرایا تھا۔ اس بم سے 68 ہزار افراد فوراً لقمہ اجل بن گئے تھے، ناگاساکی پر 9 اگست کو ایٹمی حملہ کیا گیا جس سے 38 ہزار مارے گئے اور 21 ہزار افراد زخمی ہوئے تھے۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ جاپان نے ایٹم بم گرائے جانے سے 3 دن قبل، یعنی 2 اگست کو ہتھیار پھینک دیے تھے۔ اس کے بعد صرف شرائط کا طے ہونا باقی رہ گیا تھا۔ جاپان کی طرف سے ہتھیار ڈالے جانے کے باوجود جب امریکہ نے 6 اگست کو ہیروشیما پر بم پھینکا تو جاپانی شہنشاہ نے کہا: اب ہماری کوئی شرط نہیں۔ ہم بلامشروط ہتھیار ڈال رہے ہیں۔ جاپان کی طرف سے ہتھیار ڈالنے کے اعلان کے بعد امریکیوں کے پاس دوسرا بم پھینکنے کا قطعاً اور ہرگز کوئی جواز نہ تھا لیکن چونکہ امریکی حکمرانوں کے ذہنوں میں سپر میسی کا خنّاس اور ایٹمی اسلحہ کی ہلاکت خیزی کا بچشم خود تجربہ و مشاہدہ کرنے کا جواز سمایا ہوا تھا اس لیے دوسرا بم بھی پھینک دیا گیا۔ اصل بات یہ تھی کہ پہلا بم یورینیم کا تھا اور دوسرا بم پلوٹونیم کا تھا۔ جب یورینیم بم کی ہلاکت خیزی کا مشاہدہ ہو گیا تو پلوٹونیم بم تیار کرنے والی ٹیم نے کہا ہم بھی اپنے بم کی ہلاکت خیزی اور خون ریزی کو جانچنا چاہتے ہیں، لہٰذا محض ایک تجربہ کی خاطر لاکھوں انسانوں کو خاک و خون میں نہلا دیا گیا۔

ضیائے حدیث آپ ایٹمی اسلحہ کی ہلاکت خیزی اور خون ریزی کی بات کر رہے ہیں، یہ فرمائیں کہ کیا ایسا انسانیت کش اسلحہ پاکستان کے لیے بہت ناگزیر ہے؟

ڈاکٹر صاحب جی ہاں! یہ اسلحہ فی زمانہ پاکستان کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا اسلام کی سربلندی کے لیے جہاد ضروری ہے۔ میں نے خود 30 سال اس میدان میں سرفہرست کام کیا ہے۔ اٹامک انرجی کمیشن اور خوشاب ری ایکٹر میں میرے جیسے کام کرنے والے تمام افراد کے نزدیک یہ ایک عظیم جہاد تھا۔ وجہ یہ تھی کہ بھارت جیسا عیار اور مکار دشمن ملک ہمارا پڑوسی ہے جس نے آج تک ہمیں دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ہماری شہ رگ کشمیر اور ہمارے پانیوں پر قبضہ کیے بیٹھا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی جارحیت بڑھتی جا رہی ہے۔ بھارت کے ایٹمی دھماکہ کے بعد ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ ہم سے جینے کا حق چھین لے گا۔ اس وجہ سے پاکستان کی بقاء کے لیے ایٹم بم ناگزیر تھا اور ناگزیر ہے۔ دوسری طرف اسرائیل ہے جو عیاری، سفاکی اور مکاری میں بھارت سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ اسرائیل حرمین شریفین پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہے۔ اس مذموم ارادہ کی راہ میں پاکستان کا ایٹم بم ہی رکاوٹ ہے۔ گویا پاکستان کا ایٹم بم پوری امت مسلمہ کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اگر امریکہ پاکستان کے ایٹمی ملک بننے کی راہ میں روڑے اٹکاتا رہا ہے یا ایٹمی



دھماکہ نہ کرنے کے لیے لالچ اور دھمکیوں سے کام لیتا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ امریکہ کو بھارت سے بہت زیادہ ہمدردی ہے بلکہ امریکہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کی قوت اسلام کی قوت ہے۔ پاکستان کا ایٹمی قوت بننا اور مضبوط ہونا مسلم امہ کے لیے بہت ضروری ہے۔

ضیائے حدیث جس ٹیم نے پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے مالا مال کیا، اس ٹیم کے جذبات و احساسات کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ڈاکٹر صاحب پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے مالا مال کرنے والے سائنسدانوں کی ٹیم بہت باکمال، نظریاتی، اخلاقی، فکری اور دینی اعتبار سے بہت مضبوط اور اعلیٰ کردار کی حامل تھی۔ یہ لوگ ترقی، کریڈٹ اور تنخواہوں کی سوچ فکر سے آزاد تھے۔ چھٹی کا کوئی تصور نہ تھا۔ اتوار ہو یا سوموار جمعہ ہو یا جمعرات ایک ہی لگن تھی کہ ملک کو اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت بنانا ہے۔ ٹیکنیشنز ہمیں Follow کرتے تھے کہ بشیر الدین پچھلے 24 گھنٹے سے کام کر رہا ہے تو مجھے بھی کرنا چاہیے۔ میں آپ کو ایک مثال سناتا ہوں جب ہم خوشاب کا ری ایکٹر بنا رہے تھے تو ہمارا ایک ٹیکنیشن ڈھائی سو فٹ کی بلندی پر ایک بلڈنگ کے اندر ویلڈنگ کر رہا تھا۔ بلڈنگ کے اندر دھواں بھرا ہوا تھا۔ اس دھویں میں ڈھائی سو فٹ کی بلندی پر کام کرنا بہت مشکل تھا مگر ویلڈر تمام مشکلات سے بے نیاز اپنے کام میں جتا ہوا تھا۔ میں نیچے کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے ایسے لگا کہ وہ تھکاوٹ کا شکار ہے، جب اسے نیچے اتارا گیا تو صورت حال خاصی خطرناک تھی۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اگر تھوڑی دیر وہ اور اوپر رہتا تو اس نے بے ہوش ہو کر نیچے آ گرنا تھا۔ اگر وہ ڈھائی سو فٹ کی بلندی سے نیچے گرتا تو اس بات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہ تھا کہ اس کا کیا حشر ہوتا۔ مگر وہ اپنی زندگی سے بے نیاز اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ ہم نے اسے پانی وغیرہ پلایا۔ میں نے اسے کہا: ''بیٹا! تم نے بہت کام کر لیا اب میں تمھارے لیے سات دن کی چھٹی منظور کرتا ہوں۔ جاؤ ایک ہفتہ آرام کرو۔ جب طبیعت بہتر ہو جائے پھر واپس آ جانا۔'' کہنے لگا: سر! ''میں بالکل ٹھیک ہوں، چھٹی کی بجائے میں کام کرنا زیادہ پسند کروں گا، لہٰذا میری گزارش ہے کہ چھٹی کی بجائے کام کرنے کے لیے مجھے اوپر چڑھا دیا جائے۔'' یہ تھے ہمارے ٹیکنیشنز کے جذبات، یہی جذبات کہوٹہ ایٹمی پلانٹ کی تعمیر کے وقت تھے۔ میں چونکہ اس پلانٹ کا بانی ڈائریکٹر رہا ہوں اس لیے وہ سارے حالات میرے سامنے ہیں کہ ہمارے نوجوانوں، سائنسدانوں، ٹیکنیشنز اور دیگر سٹاف نے گرمی و سردی کی شدت سے بے نیاز کس طرح دن رات کام کیا تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ ہماری موجودہ ٹیم بھی اسی جذبے سے سرشار ہے۔

میری عمر 73 سال ہو چکی ہے، پوری دنیا گھوم پھر کر دیکھی ہے۔ میرا زندگی بھر کا تجربہ ہے کہ پاکستانیوں سے زیادہ محنتی قوم دنیا میں کہیں نہیں۔ اصل بات لیڈر شپ کی ہے۔ اگر ہماری لیڈر شپ ٹھیک ہو جائے تو دنیا کی کوئی قوم پاکستانیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! پرویز مشرف دور میں امریکیوں نے آپ کو اٹھا لیا تھا اس کی کیا وجہ تھی؟

ڈاکٹر صاحب مجھ پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ میں اسامہ بن لادن کو ایٹم بم بنانا سکھا رہا تھا۔ مجھے 60 دن امریکیوں نے اپنے پاس رکھا۔ ایک ایک وقت میں چودہ چودہ آدمی تحقیقات کرتے اور ذہنی طور پر ٹارچر کرتے۔ وہ مجھے امریکہ لے جانا چاہتے تھے۔ ایک رات پاک آرمی کے ایک کرنل نے مجھے بتایا کہ شاید آج رات آپ کو امریکہ والے لے جائیں۔ مجھے گھر والوں سے ملنے کے لیے 10 منٹ دیے گئے اور کہا گیا جو تیاری کرنی ہے کر لو اب شاید آپ پاکستان واپس نہ آ سکو۔ میں گھر والوں سے ملا۔ ابھی چائے کا پورا کپ بھی نہ پیا تھا کہ وہ دروازے پر آ گئے۔ کہنے لگے: رات گیارہ بجے آپ کو لے کر جائیں گے۔ گیارہ بجے پاک آرمی کے اسی کرنل نے مجھے بتایا: اللہ کے فضل سے آپ کا باہر جانا ملتوی ہو گیا ہے۔ پرویز مشرف نے امریکیوں سے کہہ دیا ہے کہ اسے پاکستان سے باہر ہرگز نہیں بھیجا جائے گا۔ بات یہ تھی کہ 1990ء میں جب میں ریٹائر ہوا تو امہ کا درد رکھنے والے کچھ دوستوں سے مل کر ''امہ تعمیر نو'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی۔ اس تنظیم کا مقصد یہ تھا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر امہ کی تعمیر نو کی جائے۔ افغانستان چونکہ ہمارے پڑوس میں تھا، اس وقت وہاں طالبان کی حکومت تھی۔ حالات سازگار تھے اس لیے ہم نے کام کے لیے افغانستان کو چنا۔ ہم نے وہاں دو ڈھائی سال کے عرصہ میں تعمیر و ترقی کا بہت بڑا کام کیا۔ ہمارے کام اور اخلاص سے متاثر ہو کر ملا عمر نے ہمیں دو دفعہ ملاقات کے لیے بلایا۔ طالبان حکومت کے وزراء اکثر ہمارے ساتھ رابطے میں رہتے۔

ضیائے حدیث آپ امریکیوں کی طرف سے ہونے والی تفتیش کی بات کر رہے تھے؟



ڈاکٹر صاحب ہاں! میں امریکیوں سے کہتا: کیا افغانستان اس قابل ہے کہ وہاں ایٹم بم بنانے کا کام شروع کیا جا سکے؟ پاکستان جو افغانستان کی نسبت 100 گنا زیادہ ترقی یافتہ ہے یہاں ایٹم بم بنانے پر 20 سال لگے ہیں تو کیا افغانستان جیسے پسماندہ ملک میں ایٹم بم بنانے کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ بات یہ تھی کہ امریکی خود بھی سمجھتے تھے کہ ایٹم بنانے کا الزام غلط ہے۔ ان کی نظر میں اصل ایٹم بم ''امہ تعمیر نو'' کا سائنس اور ٹیکنالوجی کی Development کا پروگرام تھا۔ ان دنوں میں نے اسلام آباد میں ایک کانفرنس کروائی جس میں حکومت پاکستان کی طرف سے وفاقی سیکریٹریز سطح کے افراد نے شرکت کی اور افغانستان کی طرف سے ملاعمر کے تین وزراء نے شرکت کی تھی۔ کانفرنس کا ایجنڈا یہ تھا کہ پاکستان اور افغانستان باہم مل کر ایک اکنامک اینڈ ٹیکنیکل یونین بنالیں۔ افغان وزراء نے کہا: پاکستان کے پاس افرادی قوت ہے اور ہمارے پاس معدنیات کی دولت ہے، لہٰذا ہم مل کر کام کریں۔ پاک افغان سطح پر یونین کے کامیاب تجربہ کے بعد ہم اسے باقی اسلامی دنیا تک پھیلانا چاہتے تھے۔ اس طرح سے اسلامی دنیا میں سائنس ٹیکنالوجی کا انقلاب برپا ہو جاتا۔ امریکہ کو ہمارے یہ اقدامات قطعاً پسند نہ تھے اس لیے مجھے گرفتار کر لیا گیا۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! آپ پاکستان اور بھارت کی ایٹمی ٹیکنالوجی کا موازنہ کس طرح کریں گے؟

ڈاکٹر صاحب دیکھیں بات یہ ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی کا موازنہ تعداد سے نہیں معیار سے کیا جاتا ہے۔ اگر بات تعداد کی کی جائے تو یقیناً بھارت کے پاس ایٹمی اسلحہ زیادہ ہے۔ جہاں تک معیار کی بات ہے اس سلسلہ میں میری سٹڈی یہ ہے کہ پاکستان کا ایٹمی پروگرام کوالٹی اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے بھارت سے بہت بہتر ہے۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! آخری سوال ہے کیا قرون اولیٰ کے مسلمان سائنسدانوں نے کوئی ایسی تھیوری تحقیق کی تھی جو زمانہ حاضر میں ایٹم بم بنانے میں معاون ثابت ہوئی ہو؟

ڈاکٹر صاحب بات یہ ہے کہ لفظ ''ایٹم'' کے لیے عربی میں ''ذرہ'' کا لفظ مستعمل ہے۔ ''ذرہ'' اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سورۃ الزلزال کی دو آیات: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗo وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ یہ دونوں آیات ایٹم اور اس کی اہمیت کو واضح کر رہی ہیں۔ سورۃ الھمزہ کی آیات ہیں ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُo الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ﴾ ''وہ اللہ کی آگ ہے جو اس کے حکم سے سلگائی گئی ہے (جو کہ بدن کو لگتے ہی) دلوں تک پہنچ جائے گی۔'' ان آیتوں میں جس آگ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ریڈیو ایکٹیوٹی (تابکاری آگ) ہے جو جلاتی نہیں مگر اس کا اثر دلوں تک پہنچتا ہے۔

جہاں تک قرون اولیٰ میں مسلمان سائنسدانوں کی ایٹمی خدمات کا تعلق ہے اس سلسلہ میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مسلمان سائنسدانوں میں ایٹم کا تصور عام تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ چیزیں ذرات (ایٹم) سے بنی ہیں۔ وہ اٹامک تھیوری کی بنیاد اور کیمیکل کے ری ایکشن کو بھی سمجھتے تھے۔ مسلمان سائنسدانوں نے 6، 7 سو سال تک مختلف قسم کے سائنسی علوم Develop کیے ہیں۔ ان کی کھڑی کی گئی سائنسی عمارت کی تزئین و آرائش موجودہ سائنس کر رہی ہے۔ آج جس Development کے دور سے ہم گزر رہے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کا احسان ہے۔ عقل سلیم رکھنے والے مغربی سائنسدان اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے پاس بیسیوں حوالہ جات ہیں۔ میں پیچھے اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ہونے والی کانفرنس کا ذکر کر چکا ہوں۔ اس کانفرنس میں میرے مقالے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ موجودہ سائنس کا مسلمانوں کی سائنس سے کیا تعلق ہے۔ میں نے حوالہ جات سے یہ بات ثابت کی کہ اگر مسلمانوں کی سائنس نہ ہوتی تو موجودہ سائنس بھی نہ ہوتی۔ ایک مشہور مورخ انگریز اپنی کتاب History of the World میں لکھتا ہے: جب مسلمان فاتحین یورپ کو فتح کرتے کرتے فرانس کے دروازوں پر جا کر رک گئے اور پھر اسے فتح کیے بغیر واپس پلٹ گئے تو اس سے یورپ Development کے اعتبار سے تین سو سال پیچھے رہ گیا تھا۔ بہرکیف یہ ہمارا ماضی تھا حال میں ہم سائنسی اعتبار سے یورپ سے پیچھے رہ گئے ہیں تاہم اسلام کی صداقت، حقانیت اور فتوحات کا سفر بدستور جاری ہے۔ اسلام یورپ میں اس تیزی سے پھیل رہا ہے کہ فتح مکہ کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔ میں بڑے وثوق سے کہتا ہوں کہ موجودہ صدی کے آخر تک اگر ساری دنیا نہیں تو آدھی دنیا ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا اعتراف کر لے گی۔ ویسٹ سائنس کے ذریعے اسلام تک پہنچے گا۔ یاد رکھیں دنیا سچائی اور حقیقت کی تلاش میں ہے اور حقیقت..... صرف اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔



حافظ محمد ندیم

دارُالسّلام

ماہِ رفتہ

ضیائے حدیث دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار ایک ذیلی ادارہ ہے۔ 36 لوئر مال، لاہور سے شائع ہونے والا یہ جریدہ الحمدللہ ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے گامزن ہے۔ آپ اپنی عمدہ تجاویز سے نوازیے اور اس کی اشاعت وترویج میں بھرپور حصہ لیجیے۔

دارالسلام کے وزیٹرز

✵ مسجد الحرام کے امام وخطیب شیخ ڈاکٹر صالح بن حمید نے ریاض میں مکتبہ دارالسلام کے ڈائریکٹر جنرل عبدالمالک مجاہد کے گھر پر اپنے اعزاز میں دیے گئے عشائیہ میں شرکت فرمائی۔ تفصیلی رپورٹ اس شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نئی کتب

✵ سیرت انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر 8: شائقین سیرت کے لیے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ کے آئینہ دار ''سیرت انسائیکلو پیڈیا'' کی آٹھویں جلد پرنٹنگ کے مراحل میں ہے۔ 4 کلر آرٹ پیپر قیمت صرف:1800

✵ عالم آخرت: ڈاکٹر عریفی کی مایہ ناز تالیف ہے۔ جس میں انھوں نے مرنے کے بعد سے لے کر جنت جہنم کے تمام مراحل اور حالات قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب بیروت سے طبع ہوکر ہیڈ آفس پہنچ چکی ہے۔

✵ ''سنہری یادیں'' عبدالمالک مجاہد کی نئی کتاب ''سنہری یادیں'' آخری مراحل میں ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے حالات زندگی بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ دارالسلام کیسے اور کیوں بنایا گیا؟ ان سارے سوالات کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔

آئینہ سیرتِ نبوی ﷺ: سیرت النبی ﷺ پر خوبصورت اور نایاب پوسٹر فری حاصل کریں

ماہ وسال کے آئینے میں سیرتِ نبوی، آپ ﷺ کے خاندان، قریبی اعزہ، ازواج اور ان کے حجرات، اولاد اور حلیہ مبارک پر مشتمل دیدہ زیب 4 کلر بڑے سائز کا پوسٹر ادارہ دارالسلام جمعیۃ المناھل الخیریہ گوجرانوالہ کے تعاون سے فی سبیل اللہ تقسیم کررہا ہے۔ خواہش مند حضرات سکول، کالج، مدارس، یونیورسٹی اور دیگر مناسب جگہوں پر فریم کرکے آویزاں کرنے کے وعدے پر جمعیۃ المناھل الخیریہ کے دفتر اور دارالسلام کے تمام شوروم سے فی سبیل اللہ حاصل کریں۔ یہ پوسٹر بڑے سائز کے فلیکس میں قیمتاً بھی دستیاب ہے۔

■ **دارالسلام** 36 لوئر مال لاہور 042-37240024 ■ دارالسلام اردو بازار لاہور 042-37120054

■ ڈیفنس: 042-35692610 ■ لبرٹی: 0321-4514923 ■ ٹاؤن شپ: 042-35124230

■ دارالسلام اسلام آباد: 051-2281513 ■ دارالسلام کراچی: 021-34393936

■ **جمعیۃ المناھل الخیریۃ**، گل روڈ، گلی نمبر 5، حمید کالونی، گوجرانوالہ 055-3735977

سود خوروں کا عبرتناک انجام

محمد اشرف آزاد

فیصل آباد کے ایک ہائی سکول 202/R.B گٹی شرقی کے صحن میں بہت سے اساتذہ تشریف فرما تھے۔ ایک محترم دوست نے سود کے بارے میں دریافت کیا۔ ابھی میں سود کی تعریف، اس کی معاشی تباہ کاریاں اور سودی لین دین کرنے والے معاشرے پر غضب خداوندی کا تذکرہ کر ہی رہا تھا کہ محفل میں تشریف فرما ایک مہمان بولے: ''میں آپ سب کو اپنی زندگی کا عبرتناک واقعہ سناتا ہوں۔'' پھر وہ اپنا واقعہ سناتے ہوئے گویا ہوئے: ''یہ پرانی بات ہے اور اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میں نے ایک دوست سے مبلغ دو ہزار روپے قرض لیا۔ حسب وعدہ قرض ادا نہ کر سکا تو قرض خواہ کا اصرار اتنا بڑھا کہ میں نے اپنی عزت بچانے کے لیے اپنے گاؤں میں ایک سودی سے قرض لیا۔ اس نے دو ہزار قرض پر مبلغ دو صد روپے سود مقرر کیا اور رقم میرے حوالے کر دی۔ میں وہ رقم لے کر اپنے گھر گیا۔ رقم الماری میں ایک برتن میں رکھ کر اوپر ڈھکن رکھ دیا اور خود اپنے گھر کے باہر صحن میں بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں مجھ سے قرض واپس لینے والا دوست، جس کی وجہ سے مجھے سود پر قرض لینا پڑا تھا، آ گیا۔ میں نے اس کو بٹھایا اور اپنے چھوٹے بچے کو آواز دی کہ اندر الماری میں فلاں برتن سے رقم نکال لاؤ۔ بچہ اندر گیا اور چند لمحوں بعد اس نے زور سے چیخ ماری اور باہر دوڑ آیا اور چیختے ہوئے بولا: برتن میں روپوں پر کالا بچھو بیٹھا ہے۔ میں خود بھاگتا ہوا اندر گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ سیاہ موٹا تازہ بچھو رقم کے اوپر بیٹھا ہے۔

غرض میں نے ڈھکن دوبارہ برتن پر رکھ دیا جو بچے نے اٹھا دیا تھا اور اس برتن کو اٹھا کر باہر لا کر دوست کے سامنے رکھ دیا اور اسے سود پر رقم لینے اور بچھو والی بات سنا کر ڈھکن اٹھایا۔ دوست نے جب اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تو فوراً چارپائی سے نیچے زمین پر گر پڑا۔ پھر سر سجدے میں رکھ کر اللہ پاک سے معافی، استغفار کرنے لگا اور روتے ہوئے بولا: فوراً یہ سودی رقم واپس کر آؤ، جب اللہ توفیق دے مجھے رقم دے دینا، میں مطالبہ نہیں کروں گا۔ میں نے وہ رقم والا برتن بمع بچھو اٹھایا اور گاؤں میں اصل سودی کے پاس پہنچ گیا اور اس کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ساری بات سن کر جونہی اس نے برتن سے ڈھکن اٹھایا اور اپنی آنکھوں سے بچھو دیکھا تو فوراً زمین پر گر پڑا، پھر سر سجدے میں رکھ لیا اور رو رو کر اپنے اس حرام کاروبار سے تائب ہو گیا۔

اس طرح اللہ پاک نے ایک عجیب وغریب نظارہ دکھا کر تین خاندانوں کو دنیا کی گمراہی و بربادی اور آخرت کی رسوائی وعذابِ الیم سے محفوظ رکھا۔ والحمدللہ رب العالمین. اس واقعے کے تینوں کردار ابھی بقید حیات ہیں۔ اللہ انھیں تاحیات اپنی لطف و مہربانی سے حق و امانت پر قائم رکھے، آمین۔

بے چارہ ''ابن آدم''

پیشکش: اقبال صدیق مدنی

ابن آدم کو ہر روز تین قسم کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر عبرت کسی ایک سے بھی حاصل نہیں کرتا۔

① عمر میں کمی: ہر روز اس کی عمر کا ایک دن کم ہو جاتا ہے۔ کم ہونے والے دن کی تو اسے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی مگر مال میں کمی پر بہت فکرمند ہوتا ہے اور اس کا عوض تلاش کرنے لگتا ہے جبکہ گزری عمر واپس نہیں آتی۔

② وہ ہر روز اللہ کا رزق کھاتا ہے۔ اگر حلال رزق ہو تو اس کے بارے میں سوال ہوگا اور اگر حرام رزق ہوا تو سزا ملے گی، پھر انسان اپنے حساب کے انجام سے بے خبر کیوں ہے؟

③ ہر روز ابن آدم کسی قدر آخرت کے قریب ہو رہا ہے اور اسی قدر دنیا سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود باقی رہنے والی آخرت کی اسے اس قدر فکر نہیں ہوتی جس قدر وہ فانی دنیا کے پیچھے پڑا رہتا ہے، حالانکہ اپنے انجام کا اسے علم نہیں کہ وہ بلند و بالا جنت میں جگہ پائے گا کہ جہنم کی اتھاہ گہرائیاں اس کا ٹھکانا بنیں گی؟

امریکہ میں اسلام کی چھوٹی سی لہر

حافظ عبدالوحید سوہدروی

محسوس ہوتا ہے آج کل امریکہ میں اسلام قبول کرنے کی ایک لہر سی آئی ہوئی ہے۔ بظاہر تو ہمیں اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور باطن کے حالات اللہ پاک بہتر جانتا ہے۔ پچھلے چند ماہ کے دوران صرف ہماری مسجد میں ماہانہ اوسطاً پانچ چھ افراد مشرف بہ اسلام ہورہے ہیں۔ آپ متعجب ہوں گے کہ مارچ کے آخر میں ایک 89 سالہ گورا امریکن مسلمان ہوا ہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد امام صاحب نے اسے کرسی پر بٹھا کر کلمہ پڑھایا۔ پھر بتایا کہ یہ مسجد میں آکر اسلام کی بابت پوچھا کرتا تھا۔ سچ ہے کہ جس کے ساتھ اللہ پاک بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ بندہ جب سچے دل سے مسلمان ہوتا ہے تو اس کی سابقہ تمام خطائیں معاف ہوجاتی ہیں جیسا کہ نومولود بچہ خطاؤں سے پاک ہوتا ہے۔ اب 89 سالہ شخص اور کتنا جی لے گا کہ عملِ صالح کر سکے۔ اسی طرح ہمارے شہر میں ایک اور بوڑھی خاتون اسلام قبول کرنے کے صرف چند روز بعد وفات پاگئی۔ اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص جنگِ احد شروع ہونے سے قبل مسلمان ہوکر لڑا اور شہید ہوگیا جس نے ایک نماز بھی ادا نہیں کی تھی۔ سچے دل سے ایمان کی بدولت سیدھا جنت میں گیا۔ (صحيح البخاري: 2808) اس کے برعکس اگر کوئی مسلمان عمر بھر نیکی کے کام کرتا رہے مگر دل میں نفاق کی بیماری موجود ہو تو نہ صرف جہنم میں بلکہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں اپنا مقام پائے گا۔ یعنی کافروں سے بھی نیچے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے، آمین۔

ایک ہفتہ بعد دوسرا مسلمان ہونے والا بھی ایک گورا امریکن تھا جس کی عمر 25,24 سال کے لگ بھگ ہوگی۔ اسی طرح خواتین بھی مسلمان ہورہی ہیں۔

ایک اپاہج شخص کا قبولِ اسلام

ریاست ٹیکساس کے دوسرے بڑے شہر ڈیلاس میں ایک نوجوان مشہور مقرر جناب نعمان علی خان نے اپنے لیکچر میں ایک تازہ واقعہ سنایا کہ ہمارے شہر کے اطراف کے ایک نرسنگ ہوم میں 30 سال سے کچھ اوپر عمر کا ایک گورا نوجوان مسٹر رابرٹ دس سالوں سے اپاہج پڑا ہوا ہے۔ صرف اس کا چہرہ کام کرتا ہے جبکہ گردن سے نچلا پورا دھڑ مفلوج ہے۔ اس کے ماں باپ نے اسے چھوٹا سا لیپ ٹاپ کمپیوٹر مہیا کردیا کہ اس کا دل بہلا رہے۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آیا جس نے اپنا نام محمد بتایا اور کہا کہ تمھارے بیڈ کی سائیڈ میں جو کراس لٹک رہی ہے یہ عبادت



کے لائق نہیں۔ بلکہ عیسیٰ علیہ السلام تو خدا کے بندے تھے جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے اور لوگوں کو خدا کی عبادت کی طرف دعوت دیتے تھے۔

جاگنے کے بعد اس نے کمپیوٹر کے ذریعہ ''محمد ﷺ'' نام کی تلاش شروع کردی۔ پھر اسلام کا مطالعہ کرتا رہا اور آخرکار بفضلِ الٰہی خود ہی مسلمان ہوگیا۔ پھر بذریعہ انٹرنیٹ مصر کے ایک شخص سے عربی سیکھنا شروع کی اور قرآن پاک پڑھا۔ ایک روز ہسپتال میں کام کرنے والے ایک بےعمل مصری نے اس کے کمرے سے سورۃ العصر کی تلاوت سنی۔ آکر پوچھا: یہاں کون آیا تھا جس نے یہ سورت پڑھی۔ اس کے جواب سے کہ میں نے پڑھی ہے مصری ہکّا بکّا رہ گیا کہ یہ تو مسلمان ہوچکا ہے۔ اس واقعے نے مصری کو اسلام کے قریب کردیا اور مسٹر رابرٹ کے کہنے پر اس نے بھی نعمان علی خان کے لیکچر انٹرنیٹ سے سننے شروع کردیے۔ ایک روز وہ مصری مسجد میں آیا اور نعمان علی خان کو تفصیل بتائی، انھیں نرسنگ ہوم میں لے گیا اور رابرٹ سے ملاقات کرائی۔ جو پہلے ہی ان کے لیکچر سنتا رہتا اور ان سے ملنے کا متمنی تھا۔ گویا خدا نے اس کی مراد پوری کردی۔

واقعہ پر تبصرہ

اس واقعے میں ہم سب کے لیے خاص کر دین سے دور، ہٹے کٹے اور تندرست جسم رکھنے والے کمپیوٹر کے شائقین کے لیے بہت سے اسباق موجود ہیں۔ طوالت کے خوف سے تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے نعمان علی خان کا نام سرچ کرکے واقعہ ان کی زبانی خود سن لیجیے۔

نئی مشکل

جب سے امریکہ کے محکمہ سراغ رسانی ایف بی آئی نے نئے مسلمانوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کیا ہے تو اس نے ہماری نظروں میں ہر نئے اسلام قبول کرنے والے کو مشکوک بنادیا ہے کہ مبادا یہ کوئی ایف بی آئی کا چکر ہو۔ نئے مسلمانوں کو چھوڑیے، اب تو بعض پرانے مسلمان بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ کئی سال پہلے اسلامک سوسائٹی آف گریٹر ہوسٹن کے ایک مرحوم ڈائریکٹر نے مجھے خفیہ انداز میں ایک دوسری مسجد کے ڈائریکٹر کے متعلق بتایا کہ وہ ایف بی آئی کا ایجنٹ ہے۔ اب مشکل یہ ہے کہ ہمارا یہ انداز کہیں اسلام قبول کرنے والوں کی دل شکنی کا باعث نہ بن جائے۔ اور ہم خدا کے ہاں مجرم تصور نہ ہوں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر مسلمان ہونے والا شخص ایف بی آئی کا ایجنٹ یا مخبر نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ 89 سال کی عمر والا یا اپاہج شخص ان کی کیا خدمت کرے گا۔ مگر یہ ''سانپ کا ڈسا رسی سے ڈرے'' والا معاملہ ہے۔

دوسری طرف مسلمان ہونے والے کئی لوگ قابلِ رشک بھی ہیں۔ مثلاً: ہمارے شہر میں تین مسجدوں کے خطیب گورے مسلمان ہیں۔ جن میں سے ایک نوجوان مصر کی یونیورسٹی ''جامعہ ازہر'' سے تعلیم حاصل کرکے آیا ہے۔ اور اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ صرف عربی بولتا ہے۔ یہ نعمت تو ہمیں بھی نصیب نہیں۔ دوسرے دو مدینہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرکے آئے ہیں جن میں سے ایک سپینش ہے۔ امریکہ کے دوسرے شہروں میں بھی اسی طرح کے اسکالر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ خدا ان کی کاوشوں کو بارآور کرے، آمین۔

ہماری غفلت

یہاں ہم مسلمانوں میں ایک بڑی خامی ہے کہ جب کوئی نیا آدمی کلمہ پڑھتا ہے تو ہم خوشی سے تکبیر کے نعرے بہت لگاتے ہیں اور اسے گلے مل کر خوش آمدید کہتے ہیں۔ مگر بعد میں اس نومسلم کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول ڈالر کمانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ یہی وہ خامی ہے جس کی طرف من حیث القوم ہم توجہ نہیں دیتے۔ صرف انفرادی طور پر چند احباب یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ ہماری اس غفلت سے نومسلموں کی اکثریت بےتوجہی کا شکار رہ کر مایوس ہوجاتی ہے۔ جس وقت وہ مسلمان بنتے ہیں تو ان کے اپنے دوست احباب حتیٰ کہ رشتہ دار بھی ان سے قطع تعلق کرلیتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ ایسی صورت میں تو وہ ہماری توجہ کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ ہماری مصروفیت کا تو یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی اولاد کی تربیت پر بھی کما حقہ توجہ نہیں دیتی۔ اس کا اندازہ آپ



درجِ ذیل ایک واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

کئی سال پہلے جب میں ہفتہ وار سنڈے اسکول میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا تو ایک شاگرد کو میں نے اس کے والد کے لیے کچھ پیغام دیا۔ اگلی اتوار کو میرے استفسار پر اس نے پیغام نہ پہنچا سکنے پر معذرت کی۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ میرے صبح جاگ اٹھنے سے پہلے ابو ہسپتال چلے جاتے ہیں اور رات کو میرے سونے کے بعد گھر واپس آتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے اس کے ابو کوئی غریب غربا نہیں بلکہ ماشاء اللہ! ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر تھے۔ جنھیں دولت کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اب کیا فائدہ ایسی محنت اور دولت کا کہ آدمی اپنی اولاد سے بھی بیگانہ ہو جائے۔ بتائیے ایسے لوگوں سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ نومسلموں کی کچھ تعلیمی مدد کریں گے۔ بلکہ اس سے زیادہ خراب صورت حال تو ان گھرانوں کی ہوتی ہے جن کی خواتین بھی ملازمت کرتی ہیں۔ ان کی اولاد کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ دن بھر بچے عیسائی اسکول میں رہے۔ جب گھر آتے ہیں تو ماں باپ کی کمی ٹی وی اور انٹرنیٹ سے پوری کرتے ہیں۔ پھر جو کچھ ان ذرائع سے حاصل ہوتا ہے وہ ہم سب جانتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تربیت کا آپ خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ وہ کتنے پکے مسلمان بنیں گے۔ ایسے بچوں کی امریکہ میں اچھی خاصی کھیپ تیار ہوچکی ہے جو صرف کلچرل یا وراثتاً مسلمان ہیں۔ یہ تو صرف مسلمان سوسائٹی اور رشتہ داروں کا دباؤ ہے جو انھیں اسلام سے وابستہ رہنے پر مجبور کیے ہوئے ہے ورنہ یہ نوجوان تو کب کے آزاد ہوگئے ہوتے۔ پاکستان کے عام آدمی کی اولاد کو تو چھوڑیے صفِ اول کے نمازی پرہیزگاروں کے امریکہ میں بسنے والے پوتے دوہتے سب اسی زمرے میں شامل نظر آتے ہیں۔ کتنا افسوسناک منظر ہوگا جب آگے ان بچوں کے پوتے دوہتے یہ کہا کریں گے کہ ہمارے نانا یا دادا مسلمان ہوا کرتے تھے۔ انا للّٰہ وانا إلیہ راجعون.

نئے پرانے مسلمانوں کا تقابلی جائزہ

نئے مسلمان ہونے والے لوگ تو ہمیں نظر آتے ہیں۔ جنھیں دیکھ کر ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان بڑھ رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے اپنے مسلمان امریکن سوسائٹی میں غرق ہوتے ہوئے ہمیں دکھائی نہیں دیتے۔ جن کی تعداد نومسلموں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔

اسلام قبول کرنے والے نئے مسلمان بہ نسبت وراثتاً مسلمانوں کے مضبوط ایمان والے ثابت ہوتے ہیں اور ان میں جرأت بھی زیادہ ہوتی ہے جبکہ ہم ہارتے پھرتے ہیں۔

پرانے مسلمانوں کا اسلام علاقائی کلچر کے ساتھ بہت خلط ملط نظر آتا ہے۔ جبکہ نئے مسلمان بحمداللہ اس سے محفوظ ہیں۔

پرانے مسلمانوں کی اکثریت شرک و بدعت کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔ جبکہ نئے مسلمان بفضل اللہ اس گندگی سے پاک ہیں۔

پرانے مسلمان تقلید کے سنگلوں میں جکڑے ہوئے ہیں جبکہ نئے مسلمان بحمداللہ اس سے آزاد ہیں۔

ایک نومسلم کے تأثرات

بیس پچیس سال پہلے کی بات ہے کہ ڈیلاس سے آکر ایک کالے نوجوان امام قاسم نے اسلامک سوسائٹی آف گریٹر ہوسٹن کی مرکزی مسجد میں، جسے مین سنٹر کہتے ہیں، خطبہ دیا۔ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ انھوں نے برملا کہا تھا: ''ہم امریکن سارے بندھن توڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت اور صرف ایک رسول کی اطاعت کے لیے مسلمان ہوئے ہیں۔ جبکہ کوئی ہمیں کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی اتباع کرو۔ کوئی کہتا ہے کہ امام شافعی کی، کوئی کہتا ہے امام مالک کی اور کوئی کہتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کی اتباع کرو۔ اگر ہم نے نبی کے علاوہ دوسروں کی اتباع ہی کرنی تھی تو پھر ہمیں اپنا مذہب چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔''

ان کی اس بے باکی سے مجھے خدشہ ہوا کہ اب آئندہ انھیں یہاں پر خطبہ کی دعوت نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ یہی امام قاسم کئی سال تک ہوسٹن کی ایک مسجد میں امام رہنے کے بعد آج کل میامی میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور ان کا شمار کالے امریکن مسلمانوں میں درجہ اول کے لیڈروں میں ہوتا ہے۔ بات جو امام قاسم نے کہی بڑی پتے کی کہی۔ کاش کہ مسلمان اس پر سنجیدگی سے غور کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فہم و بصیرت کی دولت سے نوازے، آمین۔

❁❁❁❁



طارق جاوید عارفی

جذبۂ حیا اور غیرت مند خواتین

جذبۂ حیا انفرادی اور قومی اخلاق کا پاسبان ہے۔ ضمیر کی اصل قوت اسی جذبے سے بنتی ہے۔ کسی غلط حرکت، بے جا اقدام اور لغو گوئی کے راستے میں یہی جذبۂ حیا ہے جو رکاوٹ بنتا ہے۔ یہی ہے جو آدمی میں تامل پیدا کرتا ہے، ٹھٹھک پیدا کرتا ہے۔ احساسِ ذمہ داری کو ابھارتا ہے، اخلاقی تقاضوں کا لحاظ پیدا کرتا ہے۔ سوسائٹی کی اعلیٰ قدروں کا احترام ابھارتا ہے۔ یہ جذبہ بیدار رہے تو آدمی اپنے مرتبے سے فروتر کسی کام کا ارتکاب کرتے ہوئے ندامت اور پشیمانی محسوس کرتا ہے۔

جذبۂ حیا اگر سرد پڑ جائے تو آدمی کو معصیت کے حملوں سے بچانے والی ساری قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ یہی حقیقت ہے جسے خیر کے ہر علمبردار نے اپنے اپنے دور میں سمجھایا تھا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ» ''بلاشبہ گزشتہ انبیاء کی تعلیمات کا جو حصہ لوگوں تک پہنچا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جب تیری حیا اڑ جائے تو جو چاہے کر۔'' (صحيح البخاري: 6120)

حیا اور غیرت کی تعلیم ہمیشہ سے لازمۂ نبوت رہی ہے۔ اس کی وجہ نبی کریم ﷺ نے ایک مجلس میں یوں بیان کی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو بدفعلی کرتے دیکھے تو کیا اس کی غیرت اس بات کی اجازت دے گی کہ وہ حکمِ قرآنی کے مطابق چار گواہ تلاش کرتا پھرے۔ خدانخواستہ اگر میرے ساتھ ایسی ناگوار صورت پیش آ گئی تو میں اس بدمعاش کو وہیں ڈھیر کر دوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو۔ اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اور اپنی اسی غیرت کی وجہ سے اس نے کھلی اور چھپی تمام بے حیائیوں کو حرام قرار دیا ہے۔''

(صحيح البخاري: 7416)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب کوئی عام اور سادہ آدمی اپنی طرف بے حیائی اور کمینگی کی نسبت پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی مقدس و باعظمت ہستی اس سے کہیں ارفع ہے کہ بے حیائی کے امور اسے محبوب ہوں اور وہ ان کا حکم دے۔ اس نے ہر دور میں اپنے برگزیدہ بندوں کی زبانی اس ناپسندیدگی کا اعلان کیا ہے۔ اللہ کے جس بندے پر ان صفاتِ الٰہی کا جتنا زیادہ اثر پڑے گا، وہ اتنا زیادہ غیرت مند، باحیا اور گناہ سے دور بھاگنے والا ہوگا۔ دنیا کی سب سے بڑی خدا ترس ہستی کے بارے میں آتا ہے: «كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ» ''نبی کریم ﷺ پردے میں رہنے والی دوشیزہ سے زیادہ شرمیلے تھے۔ جب حیا کے منافی کوئی کام دیکھتے تو اس کی ناپسندیدگی ہم آپ کے رخ زیبا سے بھانپ لیتے تھے۔'' (صحيح مسلم: 2320)

اس باحیا شخصیت نے دنیا کو جس انداز سے حیا کی تعلیم دی ہے اس کا اندازہ ایک حدیث



سے لگائیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے نبی! ہم اپنی ستر پوشی کہاں کریں اور کہاں نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی شرمگاہ اپنی بیوی اور باندی کے سوا اور کسی کے سامنے کھلنے نہ دو۔'' میں نے عرض کی: یارسول اللہ! جبکہ لوگ باہم ملے جلے ہوں اور آدمی پوری طرح ستر پوشی پر قادر نہ ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک ممکن ہو سکے کوشش کرو کہ کوئی شخص تمھارے قابلِ ستر مقامات کو دیکھنے نہ پائے۔'' میں نے پھر عرض کی: یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی تنہا ہو (تب بھی وہ برہنہ نہیں ہو سکتا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''تب اللہ تعالیٰ لوگوں کی نسبت زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔ یعنی لوگ نہیں دیکھ رہے تو کیا ہوا اللہ تو دیکھ رہا ہے، لہٰذا اس سے حیا کرتے ہوئے برہنہ ہونے سے اجتناب کیا جائے۔'' (سنن ابن ماجہ: 1920) اس تعلیم نے شرم وحیا کا درجہ اس قدر بلند کر دیا کہ دورِ جدید کے ذہن کے لیے اس کا تصور بھی دشوار ہے۔

معزز قارئین وقارءات! تہذیب وشرافت اور شرم وحیا کا ایک معیار یہ ہے اور دوسرا معیار وہ ہے جو اس وقت کی عریاں تہذیب پیش کر رہی ہے۔ یہاں یہ کیفیت کہ تعلقات کے فطری حدود کے اندر بھی شرم وحیا کا دامن نہیں چھوٹتا۔ وہاں عریانیت کا یہ عالم کہ مرد وعورت دونوں برسر بازار ننگے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک طرف زبان ناشائستہ کلمہ تک نکالنے سے انکار کر رہی ہے اور دوسری طرف ہر گلی اور کوچہ میں داستانِ حسن وعشق سنائی جا رہی ہے اور محبت و جوانی کے گیت گائے جا رہے ہیں۔

کلچر اور ثقافت کے نام سے عریاں تہذیب کا سبق پڑھا، سنا اور دکھا کر خواتین کی غیرت اور شرم و حیا کا جنازہ نکالا جا رہا ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر عورت کو جس نیم برہنہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے اس کے پس پردہ یہود وہنود کی گہری سازشیں کارفرما ہیں۔ ان کا مقصود عورت سے اس کی فطری حیا اور غیرت چھیننا ہے۔ اس لیے کہ شرم وحیا اور غیرت ہی وہ قیمتی زیور ہے جو عورت کو بلند مقام پر فائز کرتا ہے۔ معاشرے میں اس کے مستقل وجود اور تشخص کی ضمانت دیتا ہے۔ عورت جب اغیار کے دامِ فریب میں آ کر اس قیمتی متاع سے مستغنی ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنی اخلاقی قدریں کھو دیتی ہے، اپنے مستقل تشخص کا حصار اپنے ہاتھوں توڑ ڈالتی ہے اور ہوس پرستوں کے ہاتھوں کھلونا بن جاتی ہے جس کے مظاہر ہم آئے روز ملاحظہ کرتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ آج بھی اگر عورت عظمت و بلندی کی خواہاں ہے تو اسے فطرت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ شرم وحیا اور اسلامی غیرت وحمیت کو اپنانا ہوگا اور خود کو اس حدیث کا مصداق بنانا ہوگا: «اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَان» ''عورت پوشیدہ رکھی جانے والی مخلوق ہے۔ جب وہ (بلا پردہ) باہر نکلتی ہے تو شیطان (لوگوں کی) توجہ اس کی طرف کر دیتا ہے۔'' (جامع الترمذی: 1173) لہٰذا عورت کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ گھر کی چار دیواری کو دین و اخلاق کی پناہ گاہ سمجھے اور بیرونِ خانہ متاعِ اخلاق کے لٹ جانے کا خدشہ محسوس کرتی رہے۔ شرم وحیا اور غیرت وحمیت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے اور عہد سلف کی خواتین کے ایمان افروز نمونے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے۔ قرونِ اولیٰ کی ہماری مائیں کس قدر شرم وحیا والی اور غیرت مند تھیں، اس کی چند جھلکیاں ہم آپ کو دکھانا چاہتے ہیں۔ ''شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات'' کے مصداق کسی خاتون کی سمجھ میں یہ گزارشات آ جائیں اور اسے جذبۂ شرم و حیا اور فطری غیرت وحمیت کے زیور سے آراستہ کر جائیں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے انھیں پیغام نکاح دیا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تین وجوہ کی بنا پر یہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا: ایک یہ کہ میں بڑی غیرت مند خاتون ہوں۔ دوسری وجہ یہ کہ میں بال بچوں والی ہوں اور تیسری یہ کہ میرا یہاں کوئی سرپرست موجود نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان سب زحمتوں کو گوارا فرمایا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے تمام عذر ختم ہو گئے تو انھوں نے اپنے بیٹے عمر کو اپنا ولی بنا کر رسولِ کریم ﷺ کی پیشکش قبول فرمالی۔ (سنن النسائي: 3256)

دنیا میں کسی عورت کے لیے اس سے بڑا شرف کوئی نہیں ہو سکتا کہ امام کائنات اسے اپنی زوجیت میں لینے کی پیشکش کریں۔ دوسری طرف اس عظیم خاتون کی عظمت کا اندازہ کیجیے



کہ وہ اتنی بڑی سعادت پانے میں صرف اس لیے متامل اور پس و پیش کا شکار ہے کہ اس کی غیرت اس کی اجازت نہیں دے رہی۔ بالآخر نبی رحمت ﷺ دعا کرتے ہیں اور ان کی شدید غیرت اعتدال پر آجاتی ہے اور وہ شادی کے لیے رضامندی کا اظہار کرتی ہیں۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے مالی حالات کچھ اچھے نہ تھے۔ ان کے پاس سوائے گھوڑے کے اور کچھ نہ تھا۔ نہ مال نہ غلام نہ کوئی اور چیز۔ گھریلو امور کے علاوہ گھوڑے کی نگہداشت اور چارے کی ذمہ داری بھی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا پر عائد تھی۔ وہ گھوڑے کی نگہداشت کرتیں، پانی لانے والے اونٹ کے لیے کھجور کی گٹھلیاں توڑ کر اسے کھلاتیں، اونٹ پر جا کر پانی لے کر آتیں اور پھر دیگر گھریلو امور انجام دیتیں۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ زمین عطا کیا جو ان کے گھر سے دو تہائی فرسخ (قریباً 3.35 کلومیٹر) کی مسافت پر تھا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر اٹھا کر پیدل گھر لاتی تھیں۔ ایک دفعہ وہ اسی طرح کھجور کی گٹھلیاں سر پر اٹھائے آرہی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا صحابہ کے ہمراہ وہاں سے گزر ہوا۔ آپ نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو بڑا ترس آیا، چنانچہ آپ آواز سے اونٹ بٹھانے لگے تاکہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا گٹھلیوں کا بوجھ درمیان میں رکھ کر آپ کے پیچھے سوار ہو جائیں، لیکن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پیچھے سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ گھر آ کر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ واقعہ اپنے شوہر سیدنا زبیر کو بتایا اور کہا جب نبی کریم ﷺ نے مجھے سوار ہونے کی پیشکش کی تو مجھے شرم آئی اور تمھاری غیرت یاد آ گئی، اس لیے میں نے سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ (صحیح مسلم: 2182)

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے جذبۂ شرم وحیا اور غیرت کی داد دیجیے کہ انھوں نے اس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا رشتے میں نبی کریم ﷺ کی سالی لگتی تھیں۔ اس واقعے سے یہ بھی واضح ہوا کہ سالی اور بہنوئی ایک دوسرے کے محرم ہیں نہ ان کا باہم سفر کرنا درست ہے۔ بلکہ سالی کا بہنوئی کے ساتھ ادھر ادھر جانا غیرت اور شرم وحیا کے منافی ہے۔

عظیم المرتبت تابعی عطاء بن ابو رباح کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما مجھ سے فرمانے لگے: کیا میں تمھیں ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، ضرور دکھائیے۔ وہ فرمانے لگے: اس سیاہ عورت کو دیکھ لو۔ یہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے اس مرض سے نجات دے دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو صبر کرو، تمھارے لیے جنت ہے اور اگر تم چاہو تو میں تمھارے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمھیں اس بیماری سے عافیت دے دے۔'' وہ عرض کرنے لگی: میں صبر کروں گی۔ البتہ جب مجھے دورہ پڑتا ہے تو میں برہنہ ہو جاتی ہوں، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے برہنہ نہ ہونے دے۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے یہ دعا فرما دی۔ (صحیح البخاري: 5652)

یہ عورت ایسے وقت میں برہنہ ہو جاتی تھی جس میں وہ مکلّف نہ تھی۔ یعنی اس کے ہوش و حواس قائم نہ رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود اس کو اپنا برہنہ ہونا معیوب لگتا تھا۔ یہ تھی اس اللہ والی جنتی عورت کی غیرت اور جذبۂ شرم و حیا۔ آج کل تو ماجرا ہی الٹ ہے۔ تہذیب نو کی جادوگرنیاں اپنی عشوہ طرازیوں سے جسم کے مختلف حصوں کو عریاں کرتی ہیں اور شرم وحیا کے آنچل کو تار تار کرتے ہوئے بہت سے مردوں کے گلے میں فتنے کی مالا ڈالتی ہیں۔ ایسی ہی حیاباختہ خواتین کو نبی کریم ﷺ نے جہنمیوں کی ایک قسم قرار دیا ہے جنھیں آپ نے دیکھا نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: 2128)

عورت شرم وحیا کے فطری زیور سے آراستہ رہے تو زمانے کی حیاسوز یورشیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ وہ بدنام زمانہ معاشرے میں رہتے ہوئے بھی شرم وحیا کی پتلی ہوتی ہے۔ ذرا ان دو خواتین کے جذبات ملاحظہ کیجیے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے عام معافی کا اعلان کیا اور تمام لوگوں سے اسلام پر بیعت لی۔ مردوں کے بعد عورتوں کی باری آئی۔ عورتوں سے جن امور پر بیعت لی جا رہی تھی، ان میں ایک بات یہ تھی کہ ''وہ زنا نہیں کریں گی۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی چہرہ چھپا کر بیعت کرنے کے لیے آئی



تھی۔ دوران بیعت جب آپ ﷺ نے یہ شق دہرائی کہ تم زنا نہیں کرو گی تو ہند چونک پڑی اور عرض کرنے لگی: یارسول اللہ ﷺ! کیا کوئی آزاد عورت بھی زنا کرتی ہے؟'' (السیرۃ الشامیۃ: 372/5)

اسی طرح ہند رضی اللہ عنہا کی بہن فاطمہ بھی بیعت کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے بیعت لیتے ہوئے سورۂ ممتحنہ کی آیت: 11 کے یہ الفاظ پڑھے: ﴿وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ﴾ ''وہ چوری نہیں کریں گی اور زنا نہیں کریں گی۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ سن کر فاطمہ نے ازراہِ حیا اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ فاطمہ کی یہ حالت دیکھ کر نبی کریم ﷺ بھی متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ تب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے کہا: «قَرِّي أَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ! فَوَاللّٰهِ مَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا عَلٰى هٰذَا» ''اے خاتون! اقرار کرو، اللہ کی قسم! ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ کی اسی بات پر بیعت کی ہے۔'' (مسند أحمد: 151/6، وصحیح ابن حبان: 418/10)

زمانۂ جاہلیت میں اخلاقی قدروں کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ بے حیائی اور بدکاری کا چلن عام تھا۔ لیکن اس کے باوجود جذبہ غیرت سے سرشار خواتین اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے اس قدر فکر مند اور چوکس تھیں کہ ایک آزاد عورت سے اس فعلِ شنیع کا صدور ناممکن خیال کرتی تھیں۔

یقیناً ایک دانا اور عقلمند خاتون کی سب سے قیمتی متاعِ حیات اس کی عزت وعصمت ہے۔ جب یہ شعور کسی خاتون کے دل و دماغ میں جاگزیں ہوجائے تو پھر ایسی خاتون سب کچھ برداشت کرلیتی ہے لیکن اپنی ناموس کی طرف کھلنے والی میلی آنکھ قطعاً گوارا نہیں کرتی۔ اگر کوئی اس معاملے میں اس سے دست درازی کرنا چاہے تو وہ اپنی جان پر کھیل کر اپنی عصمت کی حفاظت پر فخر کرتی ہے اور ایسے بدمعاش سے جینے کا حق سلب کرلیتی ہے۔ پھر ایسی باعصمت خاتون تمام اہل غیرت کے ہاں لائق ستائش ٹھہرتی ہے۔

امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ قبیلۂ ہذیل کے ہاں ایک شخص مہمان ہوا۔ اس کی ضیافت کے لیے انھوں نے اپنی ایک باندی لکڑیاں اکٹھی کرنے کے لیے بھیجی۔ مہمان اس پر فریفتہ ہوگیا اور اس کے پیچھے لگ گیا۔ اس کو برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس نے انکار کردیا۔ تنگ آکر اس نے اس باندی کے ساتھ لڑائی شروع کردی۔ کچھ دیر لڑائی جاری رہی۔ اچانک وہ باندی پیچھے ہٹی اور ایک پتھر اٹھا کر زور سے اسے دے مارا۔ پتھر نے مہمان کے جگر کا ستیاناس کردیا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ پھر وہ باندی اپنے گھر والوں کے پاس آئی اور انھیں اس ماجرے سے آگاہ کیا۔ گھر والوں نے ساری صورت حال سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کی تو انھوں نے تحقیق کے لیے کسی کو روانہ کیا۔ دونوں کے نشانات مبینہ مقام پر پائے گئے جس سے عورت کی بے گناہی ثابت ہوگئی۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «ذَاكَ قَتِيلُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ لَا يُوَدٰى أَبَدًا» ''یہ اللہ کا مارا ہوا ہے، اللہ کی قسم! اس کی دیت کبھی ادا نہیں کی جائے گی۔'' (مصنف عبدالرزاق، حدیث: 17919، سنن کبریٰ للبیہقی: 337/8)

اسی طرح کا ایک واقعہ شام میں پیش آیا۔ ایک شخص نے کسی گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سردی کا موسم تھا۔ عورت گھر میں اکیلی تھی۔ اسے پتہ چل گیا کہ یہ ایک چور اور غلط کار آدمی ہے جو اس کی عزت لوٹنا چاہتا ہے۔ اس نے مدد کے لیے فریاد کی لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ بالآخر اس نے دروازہ کھول دیا اور چکی کا پاٹ اٹھا کر اس بے غیرت کے سر پر دے مارا اور اس کا کام تمام کردیا۔ سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ لایا گیا تو انھوں نے اس چور کا خون رائیگاں قرار دیا۔ (مصنف عبدالرزاق: 7844)

اندازہ کیجیے ان خواتین کے دل میں اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کا کس قدر شدید جذبہ تھا۔ جب یہ جذبہ عورت کے دل میں جوان اور بیدار ہو پھر جہاں وہ اس کی خاطر دوسرے کی جان لے لیتی ہے، وہاں اپنی جان کی بازی لگانے کی بھی پروا نہیں کرتی۔

ذرا یہ واقعہ ملاحظہ کیجیے اور سر دھنیے: چنگیز خان نے جب علاء الدین خوارزم کی بساطِ حکومت لپیٹ دی تو بڑی بے دردی سے وہاں لوٹ مار کی۔ اس لوٹ کے نتیجے میں جہاں بے پناہ مال و دولت چنگیز خان کے ہاتھ لگا وہاں بادشاہ خوارزم کی ایک نہایت خوبصورت کنیز بھی چنگیز خان کے قبضے میں آگئی۔ اس نے اس قدر خوبصورت عورت کبھی نہ دیکھی تھی۔ چنگیز خان بڑا خوش ہوا اور کنیز کو بہلا پھسلا کر اپنی



طرف مائل کرنا چاہا۔ کنیز کی غیرت گوارا نہ کرتی تھی کہ چنگیز خان اس کے قریب آئے۔ اس غیرت نے اسے ایک عجیب تدبیر سکھائی۔ جب چنگیز خان نے کنیز سے خوارزم بادشاہ کے حالات دریافت کیے تو وہ کہنے لگی: تم اگرچہ بہت بڑے بادشاہ ہو لیکن خوارزم نے مجھے ایک چیز ایسی دی ہے جو کسی نے کسی کو نہ دی ہے اور نہ دے سکتا ہے۔ چنگیز خان بڑا حیران ہوا اور پوچھنے لگا: وہ کیا چیز ہے۔ کنیز نے کہا: وہ ایک تعویذ ہے جس کا اثر یہ ہے کہ جو اس کو باندھ لیتا ہے اس پر نہ تلوار اثر کرتی ہے، نہ گولی اور نہ وہ غرق ہوسکتا ہے۔ چنگیز خان بڑا خوش ہوا۔ اس نے سوچا میں یہ تعویذ ساری فوج میں تقسیم کراؤں گا۔ چنانچہ اس نے کنیز سے وہ تعویذ مانگا۔ کنیز کہنے لگی: بادشاہ سلامت! آپ پہلے مجھے اس تعویذ کے حوالے سے آزمائیں۔ آپ مجھ پر بے دھڑک تلوار کا وار کریں، دیکھیں مجھے کچھ نہ ہوگا۔ یہ بارہا آزمایا ہوا ہے۔ چنگیز خان اس کی باتوں میں آگیا اور تلوار کی ذرا سی ضرب کنیز کو لگائی تو اس کی گردن دور جا پڑی۔ چنگیز خان ہاتھ ملتا رہ گیا۔ (طالبات کے لیے تربیتی واقعات، ص: 228,227) اس واقعے سے اس کنیز کی غیرت کا اندازہ کیجیے کہ اسے دنیا سے رخصت ہونا گوارا تھا لیکن کسی غیر مرد کا ہاتھ لگنا گوارا نہیں تھا۔

آج کل بے حیائی کا سیل رواں امڈا چلا آرہا ہے۔ اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کا ایک مؤثر ذریعہ یہ ہے کہ خواتین میں جذبۂ حیا بیدار کیا جائے۔ یہ جذبہ اپنے اندر بڑی طاقت و قوت رکھتا ہے۔ جب یہ جذبہ بیدار ہوجاتا ہے تو تمام ابلیسی ہتھکنڈے ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر شرم وحیا کا جنازہ نکل جائے تو پھر ایسی بے حیا قوم کو رسوا ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ابلیسی قوتیں ہمہ وقت اسی کوشش میں ہیں کہ اس امت کی خواتین کو شرم وحیا سے عاری کردیا جائے۔ اس کے برعکس ایمانی قوتیں خواتین کو شرم وحیا کے لبادے میں ملبوس دیکھنا چاہتی ہیں۔ فیصلہ خواتین کے ہاتھ میں ہے کہ وہ کون سی قوت کا ساتھی بننا پسند کرتی ہیں۔

الخیر دواخانہ

حکیم چودھری خالد محمود
فزیشن آف ہربل میڈیسن،
فاضل طب وجراحت

سوزش و ورم چند دن میں ختم ان شاء اللہ

بذریعہ علاج ان شاء اللہ بیٹے کی ولادت 70 سالہ خاندانی فارمولا

فالج اور پِتّہ کی پتھری کا چار ہفتوں میں علاج

الخیر دواخانہ: جلالپور روڈ، شجاع آباد، ملتان
0333-0148012
0300-7570935



ابوعبداللہ

دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام

Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہِ اپریل کے درست جوابات

① ''تم سب کے سب فقیر ہو۔'' (الفاطر 15:35)

② خوارج کو جہنم کے کتے کہا گیا ہے۔

③ نبی ﷺ کا اپنی زندگی میں تشکیل دیا گیا آخری لشکر ''جیش اسامہ'' کے نام سے معروف ہے۔

④ خواتین میں سے سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تھا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

محمد جنید (اوکاڑا) محمد عرفان، (سیالکوٹ) عدیل ہاشمی، شاہد مدنی، بنت محمد شفیق (فیصل آباد)
عیشہ بنت ظفر اقبال (کراچی) حافظ ابوبکر مشتاق (قصور) خلیل الرحمٰن بلوچ (لاہور)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① انتہائی بدتمیزیاں، بدتہذیبیاں اور انتہائی خطرناک دعوتیں اور سازشیں ان اخبارات کے دامن میں ہوتی ہیں۔

② وہ رس پینے اندر اترتے ہیں اوپر سے صراحی کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

③ ''یہ میرا ناشتہ ہے اور اگر میں نے یہ نہ کیا تو میرے اعصاب کمزور ہو جائیں گے۔''

④ ''جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ ایمانداری سے مشورہ دے۔''

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں کتنی تھیں؟ نام لکھیں۔

② سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کس صحابی نے خرید کر آزاد کیا تھا؟

③ سفر ہجرت میں نبی ﷺ نے کس عورت کی بکری کا دودھ نوش فرمایا تھا؟

④ ماہِ رجب میں کن کن بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے؟

فہم دین

انسٹی ٹیوٹ

(بلا معاوضہ)

اوپن یونیورسٹی کی طرز پر بذریعہ خط کتابت مندرجہ ذیل کورسز میں داخلہ جاری ہے۔

1 فہم قرآن کورس، مدت: 90 دن
2 فہم دین کورس، مدت: 90 دن
3 عربی بول چال کورس، مدت: 60 دن

فہم دین انسٹی ٹیوٹ، گڑھی شاہو، لاہور
0332-8808064

فَكَمْ مِّنْ غَنِيٍّ لَمْ يَشْغَلْهُ غِنَاءٌ عَنِ اللّٰهِ وَكَمْ مِّنْ فَقِيرٍ شَغَلَهُ فَقْرُهُ عَنِ اللّٰهِ

''کتنے ہی مالدار ایسے ہیں کہ وہ اپنے مال کی وجہ سے اللہ سے غافل نہیں ہوتے اور کتنے ہی ایسے غریب ہیں جو فقر میں بھی اللہ سے غافل رہتے ہیں۔''

(فتح الباري: 332/11)



خبردار!
نوسربازوں سے ہوشیار رہیے!
لوگوں کو لوٹنے کے مختلف طریقوں کی نقاب کشائی

حافظ شبیر صدیق

موبائل نقلی.....دام اصلی

ہال روڈ لاہور اور ملک کی دیگر موبائل مارکیٹوں میں نوسربازوں کے مختلف گروپ ہیں۔ایک گروپ میں کم از کم تین آدمی ہوتے ہیں۔ ان کا ایک مخصوص طریقہ واردات ہوتا ہے۔اصل حقیقت آسانی سے سمجھنے کے لیے ہم انھیں فرضی نام دیتے ہیں: قاسم، زاہد اور رمضان۔ یہ تینوں اتنے فاصلے پر گھوم پھر رہے ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے پر نظر رہے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ تینوں آپس میں ایک ہیں۔ تینوں اس تاک میں ہوتے ہیں کہ کوئی اکیلا آدمی بازار میں داخل ہو۔ قاسم کے پاس وہ موبائل ہوتا ہے جو انھیں بیچنا ہوتا ہے۔اسی دوران علی (فرضی نام) بازار میں داخل ہوتا ہے۔ قاسم فوراً علی کے پاس جاتا ہے اور اس کے بالکل ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی وقت زاہد بھاگتا ہوا قاسم کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ وہ موبائل کہاں ہے؟ قاسم کہتا ہے کہ میرے پاس ہے مگر میں نے نہیں بیچنا۔ زاہد کہتا ہے: ''چلو چھ ہزار لے لو، موبائل مجھے بیچ دو۔'' قاسم زاہد کے اصرار کے باوجود انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے: ''میں نے آٹھ ہزار سے کم نہیں دینا۔'' زاہد فوراً اپنی جیب سے موبائل نکالتا ہے یا ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل پر نمبر ملا کر کال کرتا ہے اور کال ریسیو کرنے والے سے بڑے پرجوش انداز میں کہتا ہے: ''یار! وہ چور آٹھ ہزار کا نوکیا موبائل بیچ رہا ہے۔ جلدی سے دو ہزار لے کر آؤ۔ اگر ہم یہ آگے بیچیں گے تو ہمیں دس ہزار بچت ہوگی۔'' اس وقت حیران کن بات یہ ہوتی ہے کہ ان کی کال اتنی تیزی سے ملتی ہے کہ اگر بلب On کیا جائے تو وہ بھی شاید اتنی تیزی سے نہ جلے جتنی تیزی سے ان کی کال ملتی ہے، یعنی نمبر ملائے بغیر ہی وہ کان کو لگا لیتے ہیں اور بات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

بہرحال ان کے پاس کھڑا ہوا علی ان کی گفتگو سن رہا ہوتا ہے اور ذہنی طور پر ان کے شکنجے میں آچکا ہوتا ہے۔ آخرکار وہ قاسم سے پوچھ ہی لیتا ہے کہ کون سا موبائل ہے اور کتنے کا ہے؟ قاسم جب دیکھتا ہے کہ علی ذہنی طور پر تیار ہے تو چالاکی دکھاتے ہوئے کہتا ہے: ''نوکیا کا فلاں موبائل ہے، نیا ڈبہ پیک بیس ہزار کا آتا ہے اور یہ مجھ سے چھ ہزار کا مانگ رہا ہے۔'' علی کا تجسس مزید بڑھتا ہے اور اسے دوبارہ پھر موبائل دکھانے کا کہتا ہے۔ یوں علی مکمل طور پر ان کے شکنجے میں پھنس چکا ہوتا ہے۔ زاہد جب دیکھتا ہے کہ علی ان کے جال میں آچکا ہے تو وہ اسے پھنسانے کے لیے دوبارہ پھر قاسم کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے: ''بندہ پیسے لے کر آرہا ہے، موبائل ہم نے لینا ہے۔'' علی جب زاہد کو موبائل کی خاطر اس طرح تڑپتا دیکھتا ہے تو وہ قاسم کو کھینچ کر اپنی طرف لے جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کتنے کا دینا ہے؟ قاسم مزید اپنے گرآزماتے ہوئے کہتا ہے: ''بھائی! بالکل نیا موبائل ہے، زیادہ چلا بھی نہیں ہے (اس کے ساتھ ہی قاسم فوری طور پر کوڈ ملا کر علی کو دکھاتا ہے کہ صرف اتنے گھنٹے چلا ہے)۔اگر آپ نے لینا ہے تو آپ کے لیے صرف آٹھ ہزار کا ہے۔'' علی جب موبائل



کے ڈبے، ہینڈفری اور چارجر کے بارے میں پوچھتا ہے تو قاسم کہتا ہے کہ صرف موبائل ہے، اگر لینا ہے تو بتاؤ، نہیں تو میں حفیظ سنٹر بیچنے جارہا ہوں یہاں تو سب چوری کا سمجھ رہے ہیں۔ حفیظ سنٹر بھی لاہور کی ایک معروف موبائل مارکیٹ ہے۔ علی زاہد کی زبان سے تو پہلے ہی یہ سن چکا ہوتا ہے کہ ایک چور موبائل بیچ رہا ہے، اس لیے علی ڈبے اور چارجر کے بارے میں زیادہ استفسار نہیں کرتا۔ اور جب علی دیکھتا ہے کہ قاسم تو حفیظ سنٹر جانے کے چکر میں ہے تو وہ فوراً قاسم کے ساتھ سودا کرتا ہے اور بات آٹھ ہزار میں فائنل ہوجاتی ہے۔ اگر تو علی کے پاس مطلوبہ رقم ہو تو ٹھیک ورنہ اے۔ ٹی۔ ایم کارڈ کے ذریعے مطلوبہ رقم فراہم کردیتا ہے۔ اگر یہ سہولت بھی نہ ہو تو وہ فوراً اپنے کسی دوست کو کال کرتا ہے جو مطلوبہ رقم لے کر ہال روڈ پہنچ جاتا ہے۔ جب رقم اور موبائل کا لین دین ہورہا ہوتا ہے تو زاہد جو قریب ہی گھوم پھر کر سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے، دوبارہ قاسم اور علی کے پاس آکر نمبر ملائے بغیر ہی موبائل کان کو لگاتا ہے اور کسی کو مخاطب ہوکر کہتا ہے: ''یار! جلدی پیسے لے کر آؤ اس چور سے ایک دوسری پارٹی موبائل لے رہی ہے۔'' زاہد کا یہ ڈائیلاگ اتنا تیر بہدف ثابت ہوتا ہے کہ علی موبائل لے کر فوراً وہاں سے رفو چکر ہوجاتا ہے کہ کہیں زاہد اور اس کے ساتھی آکر مجھ سے موبائل نہ چھین لیں کہ یہ موبائل ہمارا ہے جو اس چور (قاسم) نے چرایا تھا۔ رقم وصول کرنے کے بعد قاسم بھی وہاں ڈھونڈنے کو نہیں ملتا۔ اس گروہ کا ایک فرد رمضان بھی تھا۔ رمضان کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اس پوری گیم کے دوران قاسم کے ساتھ ساتھ رہے مگر تھوڑے فاصلے پر تاکہ کسی کو شک بھی نہ گزرے۔ فراڈ کے اس پورے دورانیے میں اگر قاسم کے ساتھ کوئی مسئلہ بن جائے تو فوری طور پر رمضان اس کی مدد کو پہنچے۔ مگر ایسا بہت کم ہی ہوتا ہے کہ قاسم کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو، اکثر اوقات وہ اپنے اس دھندے میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔

محترم قارئین! یہ ہے وہ طریقہ واردات جس کا بہت سے سادہ لوح لوگ شکار ہوجاتے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ نوسر باز ٹولہ یوں پوری گیم کھیلتا کیوں ہے؟ اس ساری گیم کی بنیاد وہ بیس یا چالیس ہزار کا موبائل ہوتا ہے جس کی اصل قیمت دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوتی، اس لیے کہ جو موبائل ان کے پاس ہوتا ہے وہ اس اصل نوکیا کی نقل ہوتا ہے جو واقعتاً بیس یا چالیس ہزار کا ہوتا ہے۔ ہم نے جب مارکیٹ سے اسی ڈبہ پیک موبائل کی قیمت معلوم کی تو پتہ چلا کہ وہ سولہ یا سترہ سو کا مل جاتا ہے۔ لیکن ان سے خریدنے والے شخص کو اسی وقت پتہ چلتا ہے جب وہ گھر جاکر تسلی سے موبائل چیک کرتا ہے یا کسی دکاندار کے پاس بیچنے کے لیے لے کر جاتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جو موبائل یہ لے کر آتے ہیں وہ ہوتا بھی بالکل نیا ہے مگر یہ نوسر باز اس کا ڈبہ اور چارجر وغیرہ ساتھ نہیں لاتے تاکہ کسی قسم کا شک نہ ہو۔ اگر آپ علی کو ان کے دھوکے سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں تو زاہد بھرپور انداز سے آپ کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرے گا۔ جب ہم نے بھی ایک شخص کو ان کے اس فراڈ سے بچانے کی کوشش کی تو ہمیں بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔

ان لوگوں کا یہ اصول ہوتا ہے کہ یہ اس بازار کو چھوڑ کر کہیں دور آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے، یعنی اگر آپ قاسم سے کہیں کہ اگلے چوک میں میرا گھر ہے، آپ میرے ساتھ چلیں میں گھر سے پیسے لے کر آپ کو دے دوں گا۔ آپ لاکھ اس کی منتیں کریں وہ ہرگز آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ بلکہ ممکن ہے وہ یہ بہانہ لگادے کہ میری فیملی بھی میرے ساتھ ہے، وہ ادھر بازار ہی میں کھڑے ہیں، میں ان کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔

قارئین کرام! یہ تو تھی موبائل کی کہانی، اس کے علاوہ بھی لوگوں کو لوٹنے کے بہت سارے طریقے رائج ہیں۔ آیئے ہم آپ کو ان سے بھی آگاہ کرتے ہیں تاکہ آپ ایسے لوگوں کے چکر سے بچ سکیں۔

دیگ نما غبارا

بازار میں آتے جاتے آپ نے دیگ کی مانند بڑے بڑے غبارے لے کر پھرتے لوگوں کو تو دیکھا ہی ہوگا۔ جی ہاں! یہ وہ لوگ ہیں جن سے غبارہ لے کر جانے والا جب گھر جاکر غبارے میں ہوا بھرتا ہے تو سر پکڑ کر رہ جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک آدمی سے ہمارا بھی ٹاکرا ہوا۔ بھرے بازار میں اسے غبارا پھلائے آوازیں لگاتے دیکھا تو ہم جا اس کے پاس



کھڑے ہوئے۔ میرے ساتھ دارالسلام ہی کے ریسرچ فیلو حذیفہ بھائی بھی تھے۔ ہم جاتے ہی غبارے والے سے مخاطب ہوئے اور پوچھا: یہ غبارا کتنے کا ہے؟ اس نے اس کی قیمت بیس روپے بتائی۔ ہم نے پوچھا کہ یہ بھی اتنا بڑا ہی ہوگا جتنا بڑا یہ آپ کے پاس ہے؟ تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ ہم نے دوبارہ پوچھا کہ پکی بات ہے نا کہ اتنا بڑا ہی پھولے گا؟ کہنے لگا: ہاں! اتنا بڑا ہی ہوگا مگر ایک کام کرنا پڑے گا۔ ہم اندر ہی اندر حیران ہوئے کہ غبارا پھلانے سے پہلے ایک کام!!! وہ کیا کرنا ہے؟ کہنے لگا: ''غبارے میں ہوا بھرنے سے پہلے غبارا دو گھنٹے پانی میں ڈبو کر رکھنا ہے۔'' اس کا یہ ڈائیلاگ ایسا تھا جو گاہک پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور چھوڑتا ہے۔ جب اسے اس طریقے سے کہانی ڈالتے دیکھا تو ہم نے بھی فوری پینترا بدلا اور کہا: ''آپ یہ غبارا بیس روپے کا دے رہے ہیں، آپ ایسا کرو کہ ہم سے دس روپے ہوا بھرنے کے لے لینا اور یہی دیگ نما غبارا ہمیں تیس روپے میں دے دو۔'' ہمارا یہ کہنا تھا کہ وہ یوں سیخ پا ہوا جیسے ہم نے گرم پانی کا بھرا ڈول اس پر انڈیل دیا ہو۔ اس وقت اس نے جو جواب دیا وہ یوں تھا: ''میں پاگل ہوں کیا کہ پچاس روپے کا غبارا تمھیں تیس روپے کا دے دوں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی اور ایک جانب کو چلنے لگا۔ ہم بھی اس کے ساتھ ہو لیے اور چلتے چلتے اس سے پوچھا کہ پہلے آپ نے کیوں کہا تھا کہ بیس والا غبارا بھی اتنا ہی بڑا ہوگا؟ جواباً کہنے لگا کہ ہم نے بھی تو روزی کمانی ہے، اگر ایسے نہ کریں تو کون لے گا؟ ہم نے چلتے چلتے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر.....۔

USB یا ڈیٹا کیبل.....؟

آیئے! ایک اور طریقہ واردات سے مطلع ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی دور کی ایک جدید ایجاد USB ہے۔ USB 2GB کی عام قیمت تقریباً تین سو روپے ہے اور USB 32GB کی عام قیمت تقریباً چوبیس سو روپے ہے۔ البتہ مہنگائی کے اس دور میں کچھ لوگ بہت کم قیمت پر بھی 16GB یا USB 32GB فروخت کر رہے ہیں۔ البتہ ان لوگوں سے USB لینے والا شخص USB دیکھنے کو ترس جاتا ہے مگر اسے USB دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ہوتا یوں ہے کہ سرعام USB بیچنے والے افراد بظاہر تو سستی USB بیچ رہے ہوتے ہیں مگر حقیقت میں گاہک کو وہ مفت کا نمک لگا رہے ہوتے ہیں۔ دراصل نظر آنے والی USB حقیقت میں ڈیٹا کیبل ہوتی ہے۔ ڈیٹا کیبل کو کاٹ کر اس کے اوپر USB کا خول چڑھا رکھا ہوتا ہے۔ USB خریدنے والا شخص جب گھر جا کر اپنے کمپیوٹر کے ساتھ اسے اٹیچ کرتا ہے تب اس پر یہ راز افشاں ہوتا ہے کہ وہ کیا خرید کر لایا ہے۔ USB ایک ایسی چیز ہے کہ جب تک اسے سسٹم سے اٹیچ نہ کیا جائے تب تک پتہ نہیں چل سکتا کہ حقیقت کیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی راہ چلتے فراڈیے سے USB خریدنے کی بجائے کسی دکان سے لی جائے تاکہ خراب یا نقل ہونے کی صورت میں واپس کی جا سکے۔

سونے کی انگوٹھی.....؟

سونے کی انگوٹھی کا چکر بھی بہت چلتا ہے۔ یہ کام زیادہ تر نشئی قسم کے لوگوں سے کروایا جاتا ہے۔ تانبے یا چاندی کے اوپر سونے کے پانی کی پالش کروالی جاتی ہے۔ وہی انگوٹھی لے کر کوئی چرسی آدمی سگنل اشارے یا کسی اور مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جب لوگ وہاں کھڑے ہوتے ہیں تو وہ انگوٹھی لے کر ان کے پاس جاتا ہے اور سونے کی کہہ کر بہت کم رقم میں لینے کا کہتا ہے۔ جب کوئی پوچھے کہ آپ نے کہاں سے لی ہے تو اپنی بیگم کے جہیز کی بتاتا ہے چاہے اس کی شادی بھی نہ ہوئی ہو۔ بہرحال دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ چرسی ہے، ہوسکتا ہے اپنا نشہ پورا کرنے کی خاطر اپنی بیگم کی چرا لایا ہو۔ اس طرح اس پر اعتماد کر کے وہ انگوٹھی چار پانچ سو میں خرید لی جاتی ہے۔ اتنی دیر میں اشارہ کھل جاتا ہے۔ پھر نشئی اپنی راہ لیتا ہے اور خریدار اپنی راہ لیتا ہے۔ اس طرح یہ پچاس ساٹھ روپے کی انگوٹھی چار پانچ سو میں فروخت ہو جاتی ہے۔ ایسے چرسیوں سے ہوشیار رہیے اور منٹوں میں سونے کی انگوٹھی کے مالک بننے کے بجائے گھنٹوں کے افسوس سے بچیے۔

امپورٹڈ فروٹ.....؟

پھل کھانے کو تو ہر شخص کا دل کرتا ہے خصوصاً سیب، آم اور کنو کھانا تو ہر کسی کی تمنا ہوتی ہے۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ صاف ستھرا پھل خریدا جائے مگر بعض اوقات یہ کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ اس ناکامی کا سبب اور اس



لوٹ مار کا طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ پھلوں کے اوپر کسی اچھے فارم کا اسٹیکر چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو پھلوں کی تصویر والا کوئی عام سا اسٹیکر لگا دیا جاتا ہے۔ جب گاہک پھل لینے کے لیے آتا ہے تو پھل فروش لگائے ہوئے ان اسٹیکرز کی آڑ میں پہلے ریٹ بھی زیادہ بتاتا ہے مگر بعد میں کچھ کم کر دیتا ہے۔ بے چارہ گاہک اس کی باتوں میں آ کر اور ریٹ ذرا کم دیکھ کر خوشی خوشی سیب یا کوئی اور پھل چار پانچ کلو خرید کر لے جاتا ہے۔ لیکن یہ خوشی اس وقت ملیامیٹ ہو جاتی ہے جب وہ گھر جا کر پھل کھانے کے لیے اسٹیکر اتارتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ وہ اسٹیکر کسی فارم کی طرف سے لگ کر نہیں آیا ہوتا بلکہ اس پھل فروش نے خود لگایا ہوتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جس جگہ سے سیب یا کوئی اور پھل خراب ہے یا اس میں ہلکا سا سوراخ ہے جس کی وجہ سے کوئی لینے کے لیے تیار نہیں ہوگا یا کم قیمت میں فروخت ہوگا اس پر وہ اسٹیکر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا فروخت نہ ہونے والا پھل صرف فروخت ہی نہیں ہوتا بلکہ اچھی قیمت میں فروخت ہو جاتا ہے اور گاہک کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ جب کبھی آپ پھل خریدنے جائیں تو اس بات کا ضرور خیال رکھیں۔ اگر کوئی پھل فروش اسٹیکر نہ اتارنے دے تو پھر جو پھل آپ خریدیں اس پر لگے ہوئے اسٹیکر کو وہیں کھڑے ہو کر اتار کر دیکھ لیں تاکہ اگر اسٹیکر کے نیچے کوئی فراڈ چھپا ہوا ہو تو وہیں واضح ہو جائے۔ اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر کوئی دھوکے باز آپ کے ساتھ فراڈ کرتے ہوئے نہیں شرما رہا تو پھر آپ کا اپنے حق کی خاطر شرمانا چہ معنی دارد؟

پھل خریدتے وقت یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ آپ کی نگاہ پھل فروش کے ہاتھوں پر رہنی چاہیے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو پھل آپ خرید کر گھر لے جا چکے ہوتے ہیں اس پھل کے بالکل برعکس ہوتا ہے جو آپ نے ریڑھی پر چیک کیا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کچھ دھوکے بازوں نے اچھا پھل ڈسپلے پر لگا رکھا ہوتا ہے اور ہلکا پھل وزن کر کے شاپنگ بیگ میں پہلے سے ڈال کر رکھا ہوتا ہے۔ جیسے ہی آپ کی نظر اس سے ہٹتی ہے یا آپ پیسے نکالنے میں مصروف ہو جاتے ہیں تو وہ پھرتی دکھاتے ہوئے وہی شاپنگ بیگ آپ کو اٹھا کر دے دیتا ہے جو پہلے سے تیار کر کے رکھا ہوتا ہے۔

اکثر اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھل فروش نے اچھا مال گاہک کی طرف رکھا ہوتا ہے اور ہلکا مال اپنی جانب۔ جب وہ شاپنگ بیگ میں ڈالتا ہے تو اپنی جانب سے ڈالتا ہے۔ اس حوالے سے اگر آپ خود شاپنگ بیگ میں پھل ڈالیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ میرے بڑے بھائی خورشید عالم قمر کی یہ خصلت بڑی قابل تحسین ہے کہ جب وہ پھل خریدنے جاتے ہیں تو پھل فروش کو اتنے ہی پیسے دیتے ہیں جتنا وہ ریٹ بتاتا ہے لیکن پھل خود شاپنگ بیگ میں ڈالتے ہیں اور اسے یہ کہہ دیتے ہیں: ریٹ آپ نے اپنی مرضی کا لگایا ہے تو پھل ہم اپنی مرضی کا ڈالیں گے، اب پھل دینے میں آپ کی مرضی نہیں چلے گی۔ بہرحال بعض دھوکے باز پھل فروشوں سے بچنے کی خاطر ان باتوں کا خاص خیال رکھیں تاکہ اپنے آپ کو ذہنی خلفشار سے محفوظ رکھ سکیں اور بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔

روتا ہوا بچہ

یہ جو طریقۂ واردات ہم بیان کرنے جا رہے ہیں اس کا تعلق کسی دو نمبر چیز کی خرید و فروخت سے تو نہیں ہے، البتہ اس سے آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔ نوسر بازوں کا ایک گروہ اس حوالے سے بڑا سرگرم ہے۔ اگر کسی سنسان جگہ پر آپ کو کوئی بچہ روتا ہوا ملے تو ہوشیار ہو جائیے۔ اگر ہو سکے تو کسی قریبی پولیس اسٹیشن پر اس بچے کے بارے میں اطلاع دیں اور اس بچے کو وہاں پہنچا دیں۔ ہوتا یہ ہے کہ اس بچے کو ایک سنگین واردات میں استعمال کیا جا رہا ہوتا ہے اور اس کی آڑ میں آپ اپنے آپ کو جائے واردات پر خود پہنچاتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ کسی سنسان جگہ پر روتے ہوئے اس اکیلے بچے کی جیب میں ایک پرچی ہوتی ہے۔ اس پرچی پر ایک ایڈریس لکھا ہوتا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی بچے کو اس طرح روتا ہوا دیکھے گا اور پھر اس کے پاس ایڈریس بھی ہوگا تو اس شخص کی پہلی کوشش یہ ہوگی کہ وہ اسے اس ایڈریس پر پہنچا آئے۔ مگر یاد رہے کہ اس بچے کو کسی لٹیرے گروپ کی جانب سے چھوڑا گیا ہوتا ہے۔ اس گروپ کا ایک فرد وہیں موجود ہوتا ہے جو کسی کو آتا دیکھ کر چھپ جاتا ہے اور بچے کو تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ جو ایڈریس



اس بچے کے پاس موجود ہوتا ہے اس راستے پر اس گروپ کے لوگ مسلح حالت میں موجود ہوتے ہیں۔ اب جتنے بھی افراد اس بچے کو مطلوبہ ایڈریس پر چھوڑنے جاتے ہیں ان سب کو راستے ہی میں لوٹ لیا جاتا ہے۔ اس لیے اگر کہیں بھی ایسا مسئلہ پیش آئے تو فوراً پولیس اسٹیشن اطلاع کرنی چاہیے اور پھر اس کے بعد اس بچے کو پولیس اسٹیشن پہنچائیں تاکہ آپ پر کوئی اغوا کا مقدمہ بھی درج نہ کرا سکے۔

جیب کترا مافیا

محترم قارئین! آیئے! آپ کو ایک اور ایسے طریقۂ واردات سے آگاہ کرتے ہیں کہ جس سے آپ کی جیبوں کو بالکل خالی کر دیا جاتا ہے۔ پبلک ٹرانسپورٹ میں سے عام گاڑیوں پر سفر کرنے کی ضرورت تو تقریباً ہر کسی کو پڑتی ہی رہتی ہے۔ ان گاڑیوں میں مسافروں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونس ٹھونس کر سوار کیا جاتا ہے۔ ایسی گاڑیوں میں ایک گروہ بڑا سرگرم ہوتا ہے اور وہ گروہ ہے جیب کتروں کا۔ اگر کوئی شخص ایسی گاڑی میں سوار ہو اور اس نے دونوں ہاتھوں میں سامان پکڑا ہوا ہو تو ایسی صورت میں تو جیب کتروں کی عید ہو جاتی ہے۔ یوں وہ آسانی سے اپنے ہدف کو پا لیتے ہیں۔ لیکن اگر سوار ہونے والے آدمی کے دونوں ہاتھ ہی خالی ہوں تو پھر ان کا طریقہ واردات کچھ اور ہوتا ہے۔ اس گروہ میں شامل افراد دو یا تین ہوتے ہیں۔ جس آدمی کے بارے میں وہ خیال کرتے ہیں کہ اس کے پاس خاصا مال ہوگا تو وہ اس کے اردگرد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب ان کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس آدمی کے ہاتھوں کو مصروف کر دیں۔ اس کے لیے وہ یہ کرتے ہیں کہ جب ڈرائیور کو کہیں بریک لگانی پڑتی ہے یا کہیں جمپ آجاتا ہے تو وہ جان بوجھ کر اس آدمی کو دھکا لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح جب وہ آدمی اپنے آپ کو گرتا ہوا محسوس کرتا ہے تو وہ اپنی جیبوں سے ہاتھ ہٹا کر بس کی چھت کے ساتھ لگے ہوئے پائپ پر ڈال لیتا ہے۔ یوں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اب دوسرا کام یہ ہوتا ہے کہ ایک جیب کترا مسلسل اس آدمی کو دھکا لگائے رکھتا ہے تاکہ وہ آدمی اپنے ہاتھ اس پائپ سے نہ چھوڑے۔ اگرچہ گاڑی بالکل سکون سے بھی جا رہی ہو اس نے اپنا یہ کام جاری رکھنا ہوتا ہے۔ گویا اس آدمی کو ہینڈز اپ کرنے کا ان جیب کتروں کا یہ مہذب طریقہ ہے۔ اسی دوران دوسرا جیب کترا اپنا کام دکھاتا ہے اور اس آدمی کی جیبوں کو صاف کر کے فوری طور پر گاڑی سے اتر جاتا ہے۔ جو جیب کترا دھکا لگانے کی ڈیوٹی انجام دے رہا ہوتا ہے وہ اگلے سٹاپ پر اتر جاتا ہے۔

جیب کتروں کی نظر انتخاب ان گاڑیوں پر ٹھہرتی ہے جن میں بہت زیادہ رش ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاہور میں میٹرو بس میں جیب کتروں کا کاروبار عروج پر ہے۔ اس لیے میٹرو پر سفر کے دوران بھی اپنی حفاظت کا مکمل بندوبست کر کے سوار ہوں۔

محترم قارئین کرام! ہمارے معاشرے میں پائے جانے والے یہ وہ چند طریقے ہیں جن کی ہم نے نشاندہی کی ہے۔ یوں کہہ لیں کہ یہ چند قطرے ہیں ورنہ دھوکے اور فراڈ کا ایک سیلاب امڈا ہوا ہے جو تھمنے کے بجائے تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کے آگے ایک بند باندھیں۔ اگر آپ اپنے اردگرد ایسا کوئی طریقۂ واردات دیکھتے ہیں کہ جس کے ذریعے عام اور سادہ لوح لوگوں کو لوٹا جا رہا ہے تو ہمیں اس سے ضرور مطلع کریں تاکہ ایسے لوگوں کو بے نقاب کیا جائے اور سادہ طبیعت لوگوں کو ان کے طریقۂ واردات سے آگاہ کر کے بچایا جا سکے۔ یہ بات ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھیں کہ کسی بھی قسم کے فراڈ سے بچنے کے لیے اپنی مطلوبہ چیز دکان ہی سے خریدیں۔ دکاندار سے خریدتے وقت بھی پہلے اس سے بات فائنل کر لیں کہ اگر یہ چیز اصل نہ ہوئی تو اسے واپس کیا جائے گا۔

جو لوگ دھوکے اور فراڈ کا کاروبار کرتے ہیں انھیں نصیحت کرنا بھی ہم پر فرض ہے۔ ہم ایسے لوگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی احادیث پیش کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ احادیث کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی کو بدلنے کی ضرور کوشش کریں گے۔ یقیناً جو شخص سنجیدگی سے احادیث پر غور کرے گا وہ اپنے آپ کو اس دھندے سے بچانے کی کوشش ضرور کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے کلام نہیں کرے گا، نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا



اور نہ ہی ان کو گناہوں سے پاک کرے گا۔ اور ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا: ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو اپنا دو نمبر مال لوگوں کو ایک نمبر کہہ کر بیچتا ہے اور قسمیں اٹھا کر لوگوں کو یقین دلاتا ہے کہ یہ اصل چیز ہے نقل نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: 108) یعنی دھوکا اور فراڈ کرنے والا شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے گا جبکہ اس دن رحمت کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیع غرر سے منع فرمایا تھا۔ (صحیح مسلم: 1513) بیع غرر یہ ہے کہ بیچی جانے والی چیز ہے تو ہلکی مگر اس کو اس قدر دلکش بنا دیا جائے کہ وہ اصل اور اوریجنل محسوس ہو۔ اس چیز کو اس قدر چمکا دیا جائے کہ دیکھنے والے کو متاثر کرے اور وہ اوریجنل سمجھ کر خرید لے۔ چیزوں کو اس طرح بیچنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بیع نجش کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاري: 2142) بیع نجش یہ ہوتی ہے کہ کسی جگہ سودا ہو رہا ہوتا ہے۔ جو شخص کوئی چیز فروخت کر رہا ہوتا ہے اس کا کوئی ساتھی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس کا مقصد صرف اس چیز کی قیمت بڑھانا یا پھر اس چیز کی اہمیت کو بڑھانا ہوتا ہے تاکہ وہاں پر موجود لوگ اس کو پانے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھیں۔ یعنی اس طریقے سے سامان فروخت کرنے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جس شخص نے ملاوٹ کی اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔'' (صحیح مسلم:101)

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور

کی طرف سے مختلف مسائل پر مشتمل سات اشتہارات کا مدلل، رنگین، خوبصورت (گولڈن) درج ذیل مکمل سیٹ زیر تقسیم ہے

- کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟ ایک سوال کی (10) شکلیں
- نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت
- نماز، روزہ کے محمدی دائمی اوقات
- اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام
- سورۃ فاتحہ خلف الامام
- آمین بالجہر کا ثبوت
- اثبات رفع الیدین

مکمل سیٹ مختلف مسائل پر مشتمل سات اشتہارات کا **مفت** منگوائیں

ملک بھی کی تمام مساجد کے منتظمین حضرات مذکورہ مکمل سیٹ بالکل مفت منگوائیں اور اپنے اپنے زیر انتظام مساجد میں فریم کروا کر آویزاں کریں۔ مسائل حقہ کی دعوت و تبلیغ کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

نوٹ: فریم کروا کر آویزاں کرنے کا تحریری وعدہ آنا ضروری ہے۔ ڈاک خرچ بھی ادارہ کی طرف سے برداشت کیا جائے گا۔

محمد یٰسین راہی، مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ضلع راجن پور (پنجاب، پاکستان) فون: 0333-8556473

✻ اگر مومن اور کافر سمندر میں اتر جائیں تو صرف وہی بچے گا جسے تیرنا آتا ہوگا، خدا جاہلوں کی طرفداری نہیں کرتا، چنانچہ جاہل مسلمان ڈوب جائے گا اور تیراکی کا ماہر کافر بچ جائے گا۔ (مصطفیٰ محمود مصری)

✻ «إِذَا لَمْ تَجِدْلَكَ حَاقِدًا فَاعْرِفْ أَنَّكَ إِنْسَانٌ فَاشِلٌ» ''اگر زندگی میں تمھارا کوئی حاسد پیدا نہیں ہو سکا، تو سمجھ لو کہ تم ایک ناکام انسان ہو۔'' (محمد متولی شعراوی مصری) (پیشکش: اَحسنات)



بقیہ: فحاشی کا سیلاب

میرے اس دور تک، میری زندگی تک وہ نہیں ہیں۔ آگے چل کر آئیں گے میری امت کے دو طرح کے لوگ۔ ایک «قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ» ایک وہ قوم جن کے کندھوں پر کوڑے ہوں گے۔ کس طرح ہوں گے؟ جیسے گائے کی دم ہے، یعنی گائے کی دم ہمیشہ اس کے ساتھ ہے۔ یہ کوڑے ہمیشہ ان کے کندھوں پر ہوں گے۔ ظالم ہوں گے۔ بڑے شداد قسم کے، سخت گیر، تشدد کرنے والے، ظلم کرنے والے، رعیت کو مارنے والے۔ (صحيح مسلم: 2128، وابن حبان: 16/500) کوڑے رکھنا جائز ہے برسانا جائز نہیں ہے سوائے کسی شدید ضرورت کے۔ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے: «عَلِّقُوا السَّوْطَ حَيْثُ يَرَاهُ أَهْلُ الْبَيْتِ» اپنے کوڑے رکھو، اوپر لٹکا دو، کہیں اوپر جہاں تک پہنچنا مشکل ہو، تمھارے اہل وعیال کو نظر آتے ہوں کوڑا موجود ہے سیدھے رہو۔ بن سنور کر رہو، کوئی غلطی نہ کرو۔ ورنہ کوڑا حرکت میں آسکتا ہے۔ برسانا نہیں ہے۔ (السلسلة الصحيحة: 20/4)

یہ تشدد دین اسلام کی سیاست ہی نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام کے ہزاروں صحابہ حدیث اور قرآن کے حفاظ تھے۔ کسی حافظِ قرآن اور کسی حافظ حدیث کی کبھی اللہ کے پیغمبر نے پٹائی کی؟ کوئی حوالہ ہے تو پیش کرو۔ ہزاروں حفاظ تھے۔ آج ہم بھی حفاظ تیار کرتے ہیں۔ تو کیا ضروری ہے ان کے بازو توڑ کر تیار کریں۔ ان کی ٹانگیں توڑ ڈالیں۔ بعض اوقات تشدد سے بچہ مرجاتا ہے۔ یہ کوئی تربیت کا انداز نہیں ہے۔ لہٰذا کسی بھی معاملے میں تربیت کرنی ہے تو نبی علیہ السلام کا اسوہ ہمارے سامنے ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «خَدَمْتُ رَسُولَ اللّٰهِ عَشْرَ سِنِينَ» ''میں نے پیغمبر علیہ السلام کی دس سال خدمت کی۔'' دس سال کی عمر میں اللہ کے پیغمبر کے پاس آئے تھے۔ اور بیس سال کی عمر تک ساتھ رہے۔ یہ دس سال کا عرصہ، فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اللہ کے پیغمبر نے ایک بار بھی مجھے مارا نہیں، نہ کبھی ڈانٹا اور نہ کبھی یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا؟ (مسند أحمد: 3/197، وصحيح البخاري: 6038)

یہ اخلاق عظیم محمد رسول اللہ کے تھے۔ یہ ہے آپ کی تربیت کی اساس اور پھر کیسی نسل پیدا ہوئی؟ اُس معاشرے میں سے جس معاشرے میں ظلم تھا، بربریت تھی، اخلاق سوز باتیں تھیں، حیا سوز امور تھے، شراب نوشی تھی، زنا خوری تھی، سود خوری تھی، اس معاشرے میں سے کیسی قوم تیار ہوئی! کیا ان کا تقویٰ تھا! کیا ان کا تعلق باللہ تھا! اور یہ پردے کے امور میں بھی، یعنی تربیت ہوچکی اور اللہ کے خوف کے مظاہر موجود ہیں اور پیغمبر علیہ السلام کی تربیت کے نمونے موجود ہیں۔ پردے کا حکم رات کو اترا۔ صحابہ نے عشاء کی نماز پڑھی نبی علیہ السلام کے ساتھ۔ اور رات کو وحی اتری پردے کی۔ پردے کا حکم آگیا۔ پردہ کرنا ضروری ہے۔ صحابہ اللہ کا یہ پیغام لے کر اپنے گھروں کو گئے۔ اپنی بیویوں کو، بیٹیوں کو جمع کرلیا، اللہ کی وحی سنادی۔ رات بھر وہ عورتیں سوئی نہیں۔ اپنے کمبلوں، ٹاٹوں اور بستر کی چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر اپنی اوڑھنیاں بنائیں اور صبح فجر کی نماز میں کوئی عورت ننگے سر اور کھلے چہرے کے ساتھ نہیں تھی۔ اطاعت، اتباع، اللہ کے پیارے پیغمبر کی پیروی۔ تربیت کے مظاہر موجود تھے۔ ڈھکی چھپی آرہی ہیں، ڈھکی چھپی بالکل۔ اپنے سر کی چوٹی سے لے کر اپنے پاؤں کی ایڑی تک ڈھکی چھپی آرہی ہیں۔ یہ اطاعت ہے۔ یہ پیغمبر علیہ السلام کے امر کی تنفیذ ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے چہرے تو ڈھانپ لیے، اپنے پاؤں کا کیا کریں؟ ہم چاہتی ہیں کہ ہماری چادر جو ہے وہ ایک بالشت لمبی ہو، دو بالشت لمبی ہو۔ فرمایا کہ تم ایک بالشت لمبا کرلو۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس سے قدم کھلنے کا اندیشہ ہے۔ فرمایا کہ دو بالشت کرلو۔ بس ایک الجھن باقی رہ گئی۔ رستہ طرح طرح کا ہوتا ہے۔ کہیں صفائی ہے، کہیں پر غلاظت ہے۔ تو وہ چادر جو ہے وہ غلاظت سے گزرے گی، اس کو مسلے گی، روندے گی تو کپڑے کی ناپاکی کا اندیشہ ہے۔ اس مشکل کا حل کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ» اگر کسی غلط جگہ پر وہ چادر لگ گئی، بعد میں پاک مٹی آئے گی تو پاک مٹی کو روندنے سے وہ پاک ہوجائے گی۔ (سنن أبي داود: 383) یعنی خواتین کی چاہت کیا ہے؟ کیسا پردہ ہے! آج ہمیں اشکال ہے کہ چہرے کا پردہ ہے یا نہیں؟ بعض ایسے لوگ جن کا فہم نہیں اس بات کے داعی بنے ہوئے ہیں کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے۔ صحابیات کا موقف آپ دیکھیں کہ پاؤں کی چادر کو بھی کئی بالشت لمبا رکھنے کا،



وہ اس سے زیادہ بڑھانا چاہتی تھیں۔ اللہ کے پیغمبر نے فرمایا: اس سے زیادہ نہیں۔ یعنی اس طرح چہرے اور پاؤں کو ڈھانپ رہی ہیں۔ یہ صحابیات کا منہج ہے۔ اور آج معاشرہ کہاں ہے اور کیا کچھ ہو رہا ہے؟

میرے دوستو اور بھائیو! اس معاشرے میں جہاں فحاشی کا سیل رواں ہے ہم جیسے درویشوں کو کون سنے گا ٹی وی کے خلاف، بازاروں میں چھائی ہوئی فحاشی کے خلاف، بازاروں کی رونقوں کے خلاف۔ اور پھر جو لوگ مختلف اشیاء بناتے ہیں ان کی تشہیری مہم میڈیا پر پیش کرتے ہیں۔ کپڑے کی تشہیر، فلاں کی تشہیر اور اس میں کیسے حیاسوز مناظر ہوتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے ان کا کاروبار حلال کا ہو، سود سے پاک ہو لیکن اس کا آغاز اس تصویر سے کرکے، فحاشی سے کرکے، عریانی سے کرکے اپنے کاروبار کو یہ حرام نہیں کر رہے پھر؟

خِشت اول گر نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

جس عمارت کی پہلی اینٹ ٹیڑھی ہو اس عمارت کو ثریا ستارے تک اونچا لے جاؤ گے؟ نہیں، وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ تو جس کاروبار کی اساس اس امر محرم پر ہو، فحاشی پر ہو، فحاشی کو فروغ ہو، فحاشی کی دعوت ہو تو یہ خشت اول ہے، پہلی اینٹ ہے۔ تو پھر یہ عمارت آخر تک کیسی جائے گی؟ اس کاروبار کا آگے کیا حکم ہوگا؟ تو ان چیزوں کو ہم کہاں روک سکتے ہیں؟ ایک افہام وتفہیم سے بات ہوسکتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے پیغام پہنچائے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کی دعوت دی جاسکتی ہے۔ اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی جاسکتی ہے۔ اس سے زیادہ ہم کیا کرسکتے ہیں؟ لیکن اس فتنوں کے دور میں ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گھر پر اپنی توجہ دیں تاکہ ہمارے گھروں کی اصلاح ہو۔ ہمارے گھروں کی جوابدہی ہماری گردنوں پر قائم ہے۔ اس پر آپ توجہ دیں۔ باقی یہ مجلّات، یہ رسائل جن میں ہندوستان کا فیشن، ہندوستان کی تہذیب، یورپ کا کلچر نمایاں کیا جارہا ہے، ہمارے گھروں میں آتے ہیں، بچیاں ان کو پڑھتی ہیں، ویسا بننے کی کوشش کرتی ہیں، ویسا فیشن اپنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ کوئی اللہ کا خوف نہیں۔ ان کے خلاف آواز تو اٹھائی جاسکتی ہے مگر ان کو بزور بازو روکنا حکومت کا کام ہے۔ حکومت کے اپنے معاملات ہیں، اپنی سیاست ہے۔ اقتدار کی بندربانٹ میں ایسا وہ الجھے ہوئے ہیں کہ ان کو کسی اور کام کی ہوش ہی نہیں ہے۔

آدھی دنیا کا فاتح امیر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس تعلق سے رات کو سوتا نہیں تھا۔ جس نے دنیا کو عدل سے بھر دیا اور دنیا کو تونگری سے بھر دیا، رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ ایسا اللہ کا خوف۔ مجھے اپنے وزیراعظم کا وہ پہلا انٹرویو یاد ہے۔ اس سے کیا سوال ہو رہا ہے کہ آپ کو اداکارہ کون سی پسند ہے؟ آپ کو موسیقی کون سی پسند ہے؟ اور وہ ہنس ہنس کے جواب دے رہا ہے۔ اسلامی مملکت کے حاکم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ کردار تھا؟ سوال کرنے والے کو بھی حیا نہیں۔ سوال تو یہ ہونا چاہیے کہ اتنی بڑی مملکت کے آپ حاکم ہیں، کروڑوں افراد ہیں جن کی جوابدہی آپ کے سر پے ہے، آپ کو رات کو نیند آجاتی ہے؟ آپ رات کو تہجد میں اٹھ کر دعا کرتے ہیں کہ یااللہ! استقامت دے دے۔ امیر عمر تو ایک چھوٹی سی مہم کی تنفیذ کے لیے رات کو جاگتے تھے اور دعائیں کرتے تھے: یا اللہ! کامیابی دے دے۔ یااللہ! عافیت دے دے۔ اس مہم میں یااللہ! فلاح اور کامیابی عطا فرمادے۔ اگلے روز اس لشکر کے پاس آتے اور کہتے کہ آج نہ جاؤ۔ عمر کو ایک رات اور دے دو، لگتا ہے دعاؤں میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ ایک رات اور دے دو، ایک موقع اور دے دو، آج رات کچھ اور دعائیں مانگ لوں۔ پھر دعا مانگتے، رات کو نیند نہیں آتی۔ مدینے میں گھوم رہے ہیں، پھر رہے ہیں، اپنی رعیت کا تفقّد کر رہے ہیں۔ کوئی معصیت تو نہیں میری رعیت میں۔ اس کی اصلاح کی جائے۔ ایک رات ایک مکان کے پاس سے گزرے۔ اندر سے کچھ باتوں کی آواز آرہی تھی۔ فرمایا: یہ خاتون کون ہے جو رات کے اس پہر جاگ رہی ہے اور کس سے باتیں کر رہی ہے؟ کان لگالیے۔ خاتون تھی اور شعر پڑھ رہی تھی:

تَطَاوَلَ هٰذَا اللَّيْلُ تَسْرِي كَوَاكِبُهْ
وَأَرَّقَنِي أَنْ لَّا ضَجِيعَ أُلَاعِبُهْ
فَوَاللّٰهِ! لَوْلَااللّٰهُ تَخْشٰى عَوَاقِبُهْ
لَزُعْزِعَ مِنْ هَذَا السَّرِيرِ جَوَانِبُهْ
مَخَافَةُ رَبِّي وَالْحَيَاءُ يَصُدُّنِي
وَإِكْرَامُ بَعْلِي أَنْ تُنَالَ مَرَاتِبُهْ

یہ رات لمبی ہے۔ ٹھنڈی ہے اور بہت ہی



تاریک ہے۔ جب رات میں یہ صفات ہوں، لمبی بھی ہو، ٹھنڈی بھی ہو، تاریک بھی ہو، ہر خاتون کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ ہو۔ اور وہ کہہ رہی ہے:

وَأَرَّقَنِي أَنْ لَّاضَجِيعَ أُلَاعِبُهُ

لیکن ہماری نیند اڑی ہوئی ہے اس لیے کہ ہمارا خلیل، ہمارا شوہر ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ ہم سے دور ہے۔ طبیعت بڑی آمادہ ہے اس کی قربت پر، وہ مجھ سے دور ہے۔

فَوَاللّٰهِ! لَوْلَااللّٰهُ تَخْشٰى عَوَاقِبُهُ

اللہ کی قسم! اگر اللہ کی سزا کا خوف نہ ہوتا۔

لَزُعْزِعَ مِنْ هَذَا السَّرِيرِ جَوَانِبُهُ

تو میری چارپائی کے پائے حرکت کر رہے ہوتے۔ میں کسی کو بھی دعوت دے کر بلا سکتی تھی۔ اس تاریکی میں کون دیکھ رہا ہے؟ میری چارپائی کے پائے حرکت کر رہے ہوتے۔

مَخَافَةُ رَبِّي وَالْحَيَاءُ يَصُدُّنِي

مگر میرے پروردگار کے ڈر نے مجھے روک دیا ہے۔ «والحیاء» اور میری حیا نے، میں اسلامی حیا کی مالک ہوں، مسلمان ہوں، حیا ہمارا زیور ہے، اس نے بھی روک دیا۔

وَإِكْرَامُ بَعْلِي أَنْ تُنَالَ مَرَاتِبُهُ

اور شوہر کے اکرام نے روک دیا، شوہر کے اکرام نے۔ کہ میں تو اپنے سر کی چوٹی سے لے کر اپنے پاؤں کے ناخن تک اپنے شوہر کی امانت ہوں۔ ان مراتب پر میرے شوہر کے علاوہ کون فائز ہوسکتا ہے؟

امیر عمر رضی اللہ عنہ ان اشعار کو سنتے ہیں اور سکتے میں آجاتے ہیں کہ میری رعیت میں کیا ہو رہا ہے؟ اس عورت کا کیا معاملہ ہے؟ یہ رات کی تاریکی میں کیا باتیں کر رہی ہے؟ اس گھر کی نشاندہی کر گئے۔ صبح ہوئی، اس گھر کے احوال کا تفقد کیا، کیا معاملہ ہے؟ اس گھر میں اکیلی عورت تھی۔ پتہ چلا اس کا شوہر ایک عرصے سے مجاہدین کے ساتھ جہاد پر گیا ہے۔ کتنا عرصہ ہوگیا ہے؟ بڑا طویل عرصہ، کئی سال، اللہ اکبر۔ اس کا کیا حل ہو، کیا اس کا علاج ہو؟ پہلا علاج کیا کیا؟ امیر المومنین نے برید بھیجی۔ اس کے شوہر کو لے کر آؤ۔ برید کیا ہوتی ہے؟ برید سرکاری پیغامبر۔ راستے میں مختلف چوکیاں ہوتی ہیں۔ ایک گھوڑے پر بیٹھا اور ایک مرحلہ طے کیا، دس بارہ میل، بیس میل۔ آگے ایک دوسری چوکی آگئی۔ دوسری چوکی پر تازہ دم گھوڑا تیار ہوتا تھا تاکہ تاخیر نہ ہو۔ اس گھوڑے سے اترا اگلے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ تیسری چوکی پر تیسرا گھوڑا، یہ برید ہوتی ہے، تیز ترین قافلہ، تیز ترین۔ یہ ڈاک کو پہنچانے کا انداز ہے۔ اس کے شوہر کو لے کر آؤ۔ برید کے ذریعے شوہر کو حاضر کیا گیا۔ اس خاتون کا مسئلہ حل ہوگیا۔ ایسی کئی خواتین ہوسکتی ہیں۔ ہمارے حکام کو فرصت ہے ان امور میں سوچنے کی؟ کوئی ایسا تفقد ہے؟ نہیں ہے، کوئی تفقد نہیں ہے۔ لیکن یہاں آپ دیکھیں امیر عمر کی پریشانی۔ ابھی اگلے مسئلے کا حل کیا ہو؟ اپنی بیٹی جو ام المومنین تھی، حفصہ رضی اللہ عنہا، ان کے پاس گئے۔ ان کی بیٹی ضرور ہے مگر پیغمبر علیہ السلام کی حرمت تھی ام المومنین۔ جاکر کہا کہ بیٹی! تم سے ایک سوال کرنے آیا ہوں، ایسا سوال کوئی باپ اپنی بیٹی سے نہیں کرتا مگر رعیت کی مسئولیت میرے سر پر قائم ہے، اسی لیے تم سے وہ سوال پوچھ رہا ہوں کہ ایک بیوی اپنے شوہر کے بغیر صبر کے ساتھ کتنا عرصہ گزار سکتی ہے؟ فرمایا کہ چار سے چھ ماہ۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے زیادہ شوہر اگر جانا چاہتا ہے تو اپنی بیوی کی رضا سے جائے۔ اس کی اجازت سے جائے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ قانون بن گیا کہ آئندہ کسی مہم پر کوئی شخص جائے گا یا سرکاری کام پر جائے گا تو وہ چار سے چھ ماہ کے اندر واپس آئے۔ (سنن البیهقی: 425/2، و تاریخ الخلفاء للسیوطي: 56/1) ایک خاتون نے قانون بنادیا۔ جہاں ایسا معاشرہ ہو، ایسا حاکم ہو، رعیت کے امور کا یہ تفقد ہو وہاں کسی معصیت کا ارتکاب ممکن ہے؟ ان علانیہ معاصی کا قلع قمع کرنا، اپنے معاشرے کی تطہیر کرنا حکام کا فریضہ ہے۔ میری آپ کی دعوت اس میں موثر نہیں ہے۔ افہام وتفہیم سے کسی کی اصلاح ہوسکتی ہے مگر جہاں پورا معاشرہ بغاوت پر آمادہ ہو وہاں کیسے اصلاح ممکن ہے۔ تو پھر یہ میڈیا اور پھر یہ مجلّات اور دیگر جو برائی کے اسباب ہیں ان سب کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ ہمارا خالق و مالک اصلاح فرمادے۔ حکام کے لیے توفیق کی دعا مانگیں اللہ ان کو توفیق دے، ان برائیوں کا ازالہ کریں، قلع قمع کریں۔ یہ ایک بڑی کڑی مسئولیت ان کے سروں پر قائم ہے۔ اور قیامت کی جوابدہی ان کی گردنوں پر عائد ہوتی ہے۔ (**جاري هے**)



امانت اور اس کی حدود وقیود

حافظ عبدالسمیع

اسلام نے ہر مسلمان پر امانت کی حفاظت کو فرض ولازم قرار دیا ہے اور امانت میں خیانت کو حرام کہا ہے۔امانت دار ہونا، امین سمجھا جانا،امین کے لقب سے مشہور ہو جانا،اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے۔

امانت کیا ہے؟

''امانت اس اخلاقی قدر کا نام ہے جو بندے کو حق تلفی سے بچاتی ہے اور ادائے حق کا احساس بیدار کرتی ہے۔''

مذکورہ تعریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک امین شخص میں درج ذیل تین صفات کا ہونا ضروری ہے:① حق تلفی سے بچنا۔② حق ادا کرنا۔③اورحق کی حفاظت کرنا۔

امانت کا دائرہ

امانت کا دائرہ صرف روپے پیسے، جائیداد اور مالی اشیاء تک محدود نہیں جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ ہر مالی، قانونی اور اخلاقی امانت تک وسیع ہے۔

امانت کی حدود میں ہر وہ چیز داخل ہے جسے ادا کرنا،حق تلفی سے بچنا اور اس کی حفاظت کرنا ضروری ہو،مثلاً:اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا،اللہ پاک کی نافرمانی سے بچنا، نیکی کی ترغیب دینا،برائی سے روکنا، عدل وانصاف کرنا، ظلم وزیادتی سے بچنا،خالص چیز بیچنا، ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی سے بچنا،ہر مسلمان کے متعلق ہمدردی، بھلائی اور خیر خواہی کے جذبات رکھنا ان سب چیزوں کا تعلق امانت ہی سے ہے۔

امانت کا تعلق اموال سے

انسان کے پاس کسی کا مال بطورِ امانت رکھا ہوا ہو تو اسے ادا کرنا، اسے ضائع ہونے سے بچانا اور اس کی حفاظت کرنا امانت ہے۔

امانت کا تعلق ملازمت سے

جس شخص کو جس کام کا اہل سمجھ کر ملازم رکھا جائے،اُسے اس کی اہلیت کا ثبوت دینا چاہیے اور اپنا فرض پوری امانت داری سے انجام دینا چاہیے،اب ایک شخص آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے ،وہ آدھ پون گھنٹہ سستی اور کاہلی میں گنوادے، چوری چھپے بے کار بیٹھا رہے یا دیر سے آئے اور وقت سے پہلے چلا جائے، عام لوگ اسے خیانت نہیں سمجھتے لیکن اسلام کی رُو سے وہ امین نہیں ہے۔

امانت کا تعلق مالک کے ساتھ

جب آپ کسی کو ملازم بھرتی کرتے ہیں تو اس سے کیے ہوئے معاہدے کی پاسداری کرنا، بروقت تنخواہ ادا کرنا،مناسب شرح کے ساتھ تنخواہ میں سالانہ اضافہ کرنا اور مخصوص حالات میں اس سے مالی تعاون کرنا امانت ہے۔



امانت کا تعلق علوم و معارف سے

انسان کے پاس جو علم ہے اسے بغیر کمی و بیشی اور بلا تحریف دوسروں تک پہنچا دینا امانت ہے۔

امانت کا تعلق حکمرانی سے

لوگوں کے مال، جان، کاروبار، عزت و آبرو کی حفاظت کرنا، اللہ کے دین کی حفاظت کرنا، مملکت خداداد میں لوگوں کو مذہبی آزادی دینا، قومی املاک کی حفاظت کرنا، سلطنت کے راز پوشیدہ رکھنا اور دشمن پر اپنا رعب و دبدبہ قائم رکھنا امانت ہی کے زمرے میں آتا ہے۔

امانت کا تعلق گواہی سے

جب کسی معاملے میں کسی سے گواہی طلب کی جائے تو واقعے کے عین مطابق کسی کمی و بیشی اور تحریف کے بغیر گواہی دینا امانت ہے۔

امانت کا تعلق کلیریکل سٹاف سے

جب کوئی شخص کسی سے کچھ لکھوانا چاہے تو لکھوانے والے کی مرضی کے مطابق کسی کمی بیشی کے بغیر لکھ دینا امانت ہے۔

امانت کا تعلق رازداری کے ساتھ

جب کوئی شخص آپ کو راز کی بات بتائے اور کہے کہ اسے راز ہی رکھنا، اس راز کی حفاظت کرنا امانت ہے۔

مشورے میں امانت

جب کسی سے کوئی مشورہ طلب کیا جائے تو اسے پوری ایمانداری سے رائے دینی چاہیے، اس لیے کہ حدیث میں ہے: ''جس سے مشورہ طلب کیا جائے، اس پر لازم ہے کہ وہ ایمانداری سے مشورہ دے۔''(مسند أحمد: 274/5)

امانت کا تعلق ازدواجی زندگی سے

مرد جب کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی شرطوں کے مطابق لیتا ہے لیکن اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے یا اس کے حقوق بالکل نظر انداز کر دیتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت میں خیانت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: ''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امان اور عہد کے ساتھ اپنی زوجیت میں لیا ہے۔'' (صحیح مسلم: 1218)

امانت کا تعلق پیغام رسانی سے

جب کسی کو پابند کیا جائے کہ میرا یہ پیغام فلاں تک پہنچا دینا، اب یہ پیغام پوری دیانتداری کے ساتھ، بے کم و کاست، یعنی کسی کمی یا زیادتی کے بغیر من و عن پہنچا دینا امانت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے بندوں تک پہنچائے اور ہر نبی اور رسول نے وہ احکام اس کے بندوں تک پوری دیانتداری سے پہنچا دیے، یوں انھوں نے ادائے امانت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

امانت انبیائے کرام کی خصوصیت

محترم قارئین! انبیاء علیہم السلام میں ایک قدر مشترک یہ بھی تھی کہ ہر نبی امین تھا اور ہر نبی کو اس کی قوم امین سمجھتی تھی، مثلاً: قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے: ''قومِ نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا تھا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔'' (الشعرآء 26:105، 107) سیدنا ہود علیہ السلام کے متعلق آیا ہے: ''عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا تھا: ''کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔''(الشعرآء 26: 123, 125) سیدنا صالح علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا: '' کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔'' (الشعرآء 26:141، 143) سیدنا لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ''لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا تھا: ''کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔'' (الشعرآء 26:160, 162) سیدنا شعیب علیہ السلام کے متعلق آتا ہے: ''اصحاب الأیکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جب شعیب نے ان سے کہا تھا: ''کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔'' (الشعرآء 26:176, 178) سیدنا جبرائیل علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے، اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔'' (الشعرآء 26:192, 193)



ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ کی امانت و دیانت کے چرچے اعلانِ نبوت سے پہلے اور اعلانِ نبوت کے بعد بھی ہر خاص و عام کی زبان پر تھے، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے وقت رحمتِ عالم ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ تاکید فرما کر روانہ ہوئے کہ صبح یہ امانتیں ادا کر کے چلے آنا۔

امانت قرآن کریم کی نظر میں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''مسلمانو! اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ تعالیٰ تمھیں نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔'' (النسآء 4:58)

اللہ تعالیٰ کامیاب بندوں کی صفات میں فرماتا ہے: ''یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں..... (اور) اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔'' (المؤمنون 23:1,8)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے، اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے، اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔'' (البقرة 2:283)

امانت میں خیانت کرنا

امانت میں خیانت کرنا انسان کے ایمان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص امانت دار نہیں، اس کا ایمان نہیں۔'' (مسند أحمد: 5/425)

دوسری حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: ① جب بات کرے تو جھوٹ بولے، ② وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، ③ جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ وہ نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا رہے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا رہے (مگر ان تینوں علامتوں کے باعث وہ بہرحال منافق ہے۔)'' (مسند أحمد: 2/536)

امانت کا ضیاع قربِ قیامت کی علامت

قربِ قیامت کے وقت امانت اٹھا لی جائے گی۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہم سے دو حدیثیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک کا ظہور تو میں دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا: ''امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتری، پھر انھوں نے قرآن سے اس کی حیثیت کو معلوم کیا، پھر انھوں نے حدیث سے اس کی اہمیت کا پتہ چلایا۔'' آپ ﷺ نے امانت اٹھ جانے کے بارے میں فرمایا: ''آدمی ایک بار سوئے گا تو امانت اس کے دل سے ختم ہو جائے گی، صرف اس کا دھندلا سا نشان باقی رہے گا۔ پھر ایک اور نیند لے گا تو امانت اٹھا لی جائے گی، اس کا صرف آبلے کی طرح ایک نشان باقی رہ جائے گا، جیسے تو کوئلے اپنے پاؤں پر لڑھکائے اور جلد پھول جائے تو اسے ابھرا ہوا دیکھے گا لیکن اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ صبح کے وقت خرید و فروخت کریں گے تو ان کے ہاں کوئی بھی امانت دار نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا: فلاں قبیلے میں ایک امانت دار ہے۔ اور ایک آدمی کے متعلق کہا جائے گا: ''وہ کس قدر عقلمند ہے، کس قدر بلند حوصلہ اور کس قدر بہادر ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔'' اس کے بعد سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب میں اس بات کی پروا نہیں کرتا تھا کہ کس سے خرید و فروخت کروں۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کا ایمان اسے بے ایمانی سے روکتا تھا۔ اگر وہ عیسائی ہوتا تھا تو اس کے مددگار میری امانت مجھے لوٹا دیتے لیکن اب حالات یہ ہیں کہ میں فلاں فلاں کے علاوہ کسی اور سے خرید و فروخت نہیں کرتا۔ (صحيح البخاري: 6497)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کثرت کے ساتھ کہا کرتے تھے: ''لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، امانتیں ادا کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو۔'' (اتحاف الخيرة المهرة: 6/195)

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں امانت دار بننے کا شرف بخشے اور اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرمائے، آمین۔

وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب.

❁❁❁❁



بقیہ: فرعونوں کی ہلاکت کے بعد

31	جہاد سے روگردانی	﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ ''بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ! ہم کبھی بھی ارض مقدس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ (عمالقہ) وہاں موجود ہیں، چنانچہ آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔''	(المآئدۃ 24:5)	مسلمانوں کی موجودہ صورت حال ایسی ہی ہے کہ یہ جہاد سے کتراتے اور اعراض کرتے حتی کہ اعتراض بھی کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس حوالے سے کئی پیش گوئیاں بھی فرمائی ہیں۔ ''جب تم دھوکے کی خرید وفروخت کرنے لگ جاؤ گے اور بیلوں کی دُمیں پکڑ کر کھیتی باڑی میں لگ جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا۔'' (سنن أبي داود: 3462)
32	زندگی پر حد سے زیادہ حرص	﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ﴾ ''اور البتہ آپ انھیں (یہود کو) یقیناً تمام لوگوں سے زیادہ زندگی پر حریص پائیں گے۔''	(البقرۃ 96:2)	زندگی کی بہت زیادہ حرص جہاد اور دیگر امور سے روکے رکھتی ہے۔ اور خواہشات کی تکمیل میں لگائے رکھتی ہے۔ نبی ﷺ نے ایک حدیث میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کو «وهن» قرار دیا ہے۔(سنن أبي داود، حديث: 4297) اور یہ ''وہن'' آج کل کے مسلمانوں میں عام ہے۔ اس وجہ سے دشمن پر رعب نہیں رہا۔
33	آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح	﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''یہ (یہود) وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا۔''	(البقرۃ 86:2)	اس پہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ موجودہ مسلمانوں کے بیتتے شب وروز، سرگرمیاں اور ترجیحات اس کی مکمل عکاسی کرتی ہیں۔ صورت حال بالکل واضح ہے۔
34	تعصب اور عداوت	﴿نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ﴾ ''ہم اس پر ایمان لائیں گے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔'' ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ ''کہہ دیں: کون ہے دشمن جبریل علیہ السلام کا؟ وہ تو وہ ہے جس نے آپ کے دل پر اتارا ہے۔'' ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ﴾ ''آپ یقیناً اہل ایمان کا سب سے شدید دشمن یہود کو پائیں گے۔''	(البقرۃ 91:2) (البقرۃ 97:2) (المآئدۃ 82:5)	مسلمان یہود سے کسی نہ کسی حد تک نفرت رکھتے ہیں اور یہ ایمانی غیرت کا تقاضا ہے مگر مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی اور برادری کی بنیاد پر باہمی نفرتیں، عداوتیں اور تعصّبات بھی کسی سے کم نہیں۔ یہود جبریل علیہ السلام سے اس لیے دشمنی رکھتے تھے کہ یہ وحی لے کر آتا ہے۔ وحی آنا تو بند ہو چکی مگر بعض مسلمان وحی کی تعلیمات پھیلانے والوں سے نفرت رکھتے ہیں، نفرت نہ بھی رکھیں تو کم از کم حقیر ضرور سمجھتے ہیں۔ اور یہ تعصب اس حد تک ہے کہ دلائل کے ہوتے ہوئے اپنے امام کے مسلک اور موقف کو اختیار کرتے ہیں۔



35	جادو کا فروغ	﴿مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ ''اور وہ (بنی اسراء یل) پیچھے چلے اس (جادو) کے جو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں پڑھا کرتے تھے۔'' ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ ''وہ جبت (جادو) اور طاغوت (شیطان) پر ایمان لاتے ہیں۔''	(البقرة 102:2) (النساء 51:4)	جادو کے فروغ میں ہمارا کردار بھی کم نہیں۔ خصوصاً آج کل یہ دھندا عروج پر ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر بڑے بڑے اشتہارات شائع ہوتے ہیں۔ اس طرح اسے فروغ دیا جارہا ہے۔ بغض و حسد کی آگ کو جادو کروا کے ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔
36	مومنوں سے حسد	﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ ''اپنی طرف سے حسد کرتے ہوئے۔''	(البقرة 109:2)	مسلمانوں کا ایک دوسرے سے حسد و بغض تو واضح ہے۔
37	ایمان والوں کو راہ راست سے ورغلانے کی کوشش	﴿مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ ''جو ایمان لاتا ہے تم اس (کی) راہ میں کجی (ٹیڑھ پن) کے لیے کوشاں ہوجاتے ہو۔''	(اٰل عمران 99:3)	یہود تو کیا ان کی طرف سے تنخواہ دار صحافت کے علمبردار نام نہاد مسلمان بھی سادہ لوح مسلمانوں کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اور کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اسلامی تعلیمات کے بارے شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔ میڈیا پر چھڑی ایک حالیہ بحث کا جائزہ ہی لے لیں دوسری اور تیسری شادی کے متعلق کیسے کیسے شکوک و شبہات پیدا کیے جارہے ہیں۔
38	مسلمانوں کے خلاف حربے اور منصوبہ بندیاں	﴿اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ''تم دن کے شروع میں اس پر ایمان لے آنا جو ایمان والوں پر (وحی) اترتی ہے اور دن کے آخر میں اس کا انکار کر دینا شاید وہ (مسلمان ہونے والے) واپس لوٹ آئیں۔''	(اٰل عمران 72:3)	یہود کی طرف سے یہ ایک ڈرامائی انداز کی چالبازی تھی، گویا اس وقت بھی یہود ڈرامے دکھا کر اہل ایمان کو حق سے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اتنا ضرور ہے کہ اس وقت سکرین نہیں ہوتی تھی اور آج بھی کرتے ہیں مگر آج ان کے اس مشن میں نام نہاد مسلمان بھی شامل ہیں۔ ڈراموں اور فلموں سے زیادہ تر یہی کام لیا جاتا ہے۔ فلموں میں کم سے کم کردار یہ ہوتا ہے کہ عوام کو علماء سے متنفر کیا جائے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ دین نہیں سمجھ پاتے اور دین بیزار بن جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ایک چینل کی طرف سے ریلیز ہونے والی فلمیں ''خدا کے لیے''، ''بول'' اور ''خدا عشق'' میں یہی چال چلی گئی ہے۔ ان سازشوں اور مکاریوں سے وہ مسلمانوں کو بالکل کافر تو نہیں بنا لیتے مگر حقیقی مسلمان بھی نہیں رہنے دیتے۔



39	جھوٹ سننے کے عادی	﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ ''جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے۔'' جھوٹ سننا جھوٹ بولنے کو مستلزم ہے، یعنی کوئی جھوٹ بولے گا تو کوئی سنے گا۔ آج بھی میڈیا پر یہود چھائے ہیں تبھی تو میڈیا اس قدر ڈھٹائی سے جھوٹ پھیلاتا ہے کہ وہ سچ محسوس ہوتا ہے۔	(المآئدۃ 42:5)	مسلمانوں کو بھی یہود کی دیکھا دیکھی سچائی ہضم نہیں ہوتی۔ سچ کے بجائے جھوٹ کا ساتھ دیتے ہیں اور اسے پروان چڑھاتے ہیں۔
40	میٹھا میٹھا ہپ	﴿يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ اگر تمھیں یہ دیا جائے تو تھام لو اور تمھیں یہ نہ دیا جائے تو بچ جاؤ۔''	(المآئدۃ 44:5)	مسلمانوں نے بھی عمل کرنے کے لیے اپنے مفاد آگے رکھے ہوتے ہیں، وہ نظر آرہے ہوں تو ٹھیک اور مفادات پر زد پڑتی ہو تو اس حکمِ شریعت کو اختیار نہیں کرتے۔
41	دوسروں کے لیے مسلمانوں کی جاسوسی	﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾ ''دوسری قوم کے لیے بہت زیادہ سننے والے (جاسوسی کرنے والے)۔''	(المآئدۃ 41:5)	عالم کفر کی ایجنسیاں اور ادارے مسلمانوں کی جاسوسی کرنے میں پیش پیش ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ نام نہاد مسلمان ان کے ملازمین ہیں۔
42	جنگ کے شعلے بھڑکانے کی کوشش	﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ﴾ ''جب بھی وہ جنگ کی آگ بھڑکائیں گے اللہ اسے ٹھنڈا کردے گا۔''	(المآئدۃ 64:5)	بعض مسلمانوں کی طبیعت بھی ایسی ہے کہ وہ رشتہ داروں، لوگوں، مسلک والوں اور برادری والوں کے درمیان لڑائی کروانے کے بڑے ماہر ہوتے ہیں۔
43	زمین میں فساد کی کوشش	﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ ''اور وہ زمین میں فساد (برپا کرنے) کے لیے کوشش میں رہتے ہیں۔''	(المآئدۃ 64:5)	کئی مسلمان بھی دین کے نام پر فساد برپا کرتے ہیں اور کچھ لوگ قیام امن کے نام پر فساد کررہے ہیں، کئی لوگوں نے اتحاد بین المسلمین کے نام پر فساد بین المسلمین جاری رکھا ہوا ہے۔
44	باہمی اختلاف وانتشار	﴿فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ ''تو انھوں نے اختلاف نہیں کیا حتی کہ ان کے پاس علم آگیا۔'' ﴿فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآئَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ﴾ ''تو انھوں نے اپنے پاس علم آنے کے بعد سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے ہی اختلاف کیا۔''	(یونس 93:10) (الجاثیہ 17:45)	بنی اسراءیل کے اختلاف کی دو نوعیتیں تھیں۔ ایک تو باہمی اختلاف وانتشار جیسا کہ حدیث میں وضاحت ہے: ''یہود 71 یا 72 فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔'' (سنن أبي داود: 4596) اسی حدیث میں نبی ﷺ نے اس امت کے 73 فرقوں میں تقسیم ہونے کی پیش گوئی فرمائی ہے اور امت کی تقریباً یہی صورت حال ہے۔ یعنی اس حوالے سے بھی ہم بنی اسراءیل سے پیچھے نہیں۔ بہت سے علماء علم سے محض اختلافات کو ہوا دینے کا کام ہی لیتے ہیں۔ بنی اسراءیل کے اختلاف کی دوسری نوعیت انبیاء سے اختلاف ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ (بے مقصد) سوال کرنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔'' (صحيح البخاري: 7288)

(جاری ہے)



الرزاق اور اس کی رزق رسانی کے انوکھے طریقے

ایک ایمان افروز تحریر

ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ تعالیٰ کی ذات بہت سی صفات کی حامل ہے۔ ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ اپنی تمام مخلوق کو رزق مہیا کرتا ہے۔ یقیناً دیگر صفات کی طرح یہ بھی بہت بڑی صفت ہے۔ اگر کل مخلوقات کو سامنے رکھا جائے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اس وقت اندازاً دنیا کی انسانی آبادی سات ارب سے زیادہ ہے۔ ہماری گنتی میں یہ بہت بڑی تعداد ہے لیکن رب العزت کے ہاں انسان ایک مخلوق ہے۔ یعنی سات ارب سے زائد انسان محض ایک نوع (Species) ہے۔ اس ایک بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کتنا بڑا رب ہے اور کس قدر بااختیار ہے۔ اگر حشرات کو لیا جائے تو ان کی چالیس لاکھ اقسام دریافت ہوچکی ہیں جن میں سے چند لاکھ کو سائنسی نام دیے جاسکے ہیں۔ یہ چند موٹی موٹی مثالیں ہیں۔ اس میں وہ مخلوقات بھی شامل کرلی جائیں جنھیں انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تو پھر بات اور بھی آگے بڑھ جاتی ہے۔ گویا یہ انسانی دسترس سے باہر ہو جاتا ہے کہ کس کس کے رزق کا حساب رکھا جائے۔

لیکن اللہ رب العزت کی شان ملاحظہ ہو کہ اتنی بڑی تعداد و مقدار میں خلقِ خدا روزانہ پروردگار کے عطا کردہ رزق سے استفادہ کرتی ہے اور مجال ہے کہ رازق کے خزانے میں ذرّہ بھر بھی کمی ہوجائے۔

ہمارے لوگ عموماً مثال دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو پتھر میں رہنے والے کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے۔ یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ دیمک لکڑی کھاتی ہے۔ لیکن اپنی اس غذا کو ہضم کرنے کے لیے اس کے پاس خامرے یا اینزائمز (Enzymes) نہیں ہیں۔ چنانچہ اپنے پروردگار کا انتظام دیکھیے کہ دیمک کے پیٹ (Gut) میں ایک یک خلوی جاندار رہتا ہے۔ اس کا نام ٹرائی کونیمفا (Trichonympha) ہے۔ یہ جاندار ایک خامرہ ''Cellulase'' خارج کرتا ہے۔ جو دیمک کی کھائی لکڑی کو نہ صرف ہضم کردیتا ہے بلکہ اُسے دیمک کے پیٹ میں رہ کر اپنے حصے کا رزق بھی مل جاتا ہے۔ شکار کرنا، چیرنا، پھاڑنا وغیرہ عام طریقے ہیں جن میں ایک جاندار دوسرے جاندار کو شکار کرکے اپنے پیٹ کی آگ بجھاتا ہے۔ لیکن دیمک والی مثال سے اُسی بات کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ پتھر میں رہنے والے کیڑے کو بھی پروردگار بھوکا نہیں رہنے دیتا۔

انسان کے جسم میں بھی ایسے کئی مظاہر موجود ہیں کہ رب العزت کس کس طرح عجیب انداز میں اپنی خلقت کو رزق عطا کرتا ہے۔ آج کل ڈینگی مچھر کے تذکرے ہر زبان پر ہیں۔ ڈینگی مچھر اور ملیریا مچھر، دونوں معاملات میں مچھر کی مادہ انسانی خون پیتی ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ مادہ مچھر کو انڈے دینے کے لیے آئرن کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ آئرن انسانی لہو میں ایک پروٹین ہیموگلوبن (Haemoglobin) میں پایا جاتا ہے۔ ہیموگلوبن وہی پروٹین ہے جس کی وجہ سے ہمارے خون کا رنگ سرخ دکھائی دیتا ہے۔ یہ اہم پروٹین آکسیجن جذب کرتی ہے۔ اب یہ بھی قدرت کی رضا ہے کہ ان دونوں مادہ مچھروں کے منہ میں ملیریا پیدا کرنے والا جرثومہ پلازموڈیم (Plasmodium) اور ڈینگی بخار پیدا کرنے والا ڈینگی وائرس

(Dengue Virus) رہتا ہے۔ یہ جرثومے ہمارے خون میں پہنچ کر اپنی تولید کرتے ہیں۔ اسی طرح کی دلچسپ صورتحال ہمیں چھڑیلے یا لائی کن (Lichen) میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ پھپھوندی (Fungi) اپنی خوراک خود نہیں بنا سکتے۔ اب قدرت نے یہ بندوبست کیا کہ اس نے الجی (Algae) سے دوستی کر لی۔ الجی سبز رنگ کا پانی میں تیرنے والا جالا سا ہوتا ہے جسے کائی پکارتے ہیں۔ الجی سورج کی روشنی کو استعمال کر کے خوراک تیار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ چنانچہ فنجائی پانی اور نمکیات جذب کر کے الجی کو دیتی ہے جس کی مدد سے وہ خوراک تیار کرتی ہے۔ یوں خوراک میں سے پھپھوندی کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔ دوستی کا یہ رشتہ لائن کن کہلاتا ہے۔ یوں دو مختلف جانداروں کے باہمی تعلق (Mutualism) سے دونوں کو اپنے اپنے حصے کا رزق مل جاتا ہے۔

پروردگار عالم کے انتظامات کمال کے ہیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ توانائی کا سب سے بڑا منبع سورج ہے۔ سورج سے جتنی توانائی زمین پر پہنچتی ہے اُس کا صرف 1 فیصد پودے استعمال کرتے ہیں۔ باقی توانائی حرارت (Heat) کی صورت میں واپس پلٹ جاتی ہے۔ اس ایک فیصد شمسی توانائی سے پودے اپنی خوراک تیار کرتے ہیں۔ اس خوراک پر کل مخلوقات کا گزر بسر ہے۔ شیر گھاس نہیں کھاتا، لیکن جس جانور کو شکار کر کے کھاتا ہے وہ گھاس کھاتا ہے۔ خود انسان بکرے ذبح کر کے کھاتے ہیں۔ یہ بکرا چارہ کھا کر گوشت پیدا کرتا ہے۔ گائے اور بھینسیں دودھ تبھی دیتی ہیں جب چارہ کھاتی ہیں۔ لیکن خود پودوں میں رزق کے حصول کے لیے کئی دلچسپ مثالیں موجود ہیں۔ آکاس بیل جسے ''Dodder'' کہتے ہیں، اپنی خوراک نہیں بناتی۔ حالانکہ یہ پودوں کی ایک نوع (Species) ہے۔ اب قدرت نے اس کے لیے انتظام کیا ہے کہ یہ سرسبز درختوں اور پودوں سے لپٹ جاتی ہے۔ اس کی پیلی پیلی ڈوریاں بُری طرح میزبان پودے میں پیوست ہو جاتی ہیں اور وہاں سے اپنی خوراک جذب کرتی ہیں۔ مری، کشمیر وغیرہ میں پچر پلانٹ (Pitcher Plant) پایا جاتا ہے۔ یہ پودا سرسبز ہے۔ اپنی خوراک خود تیار کرتا ہے۔ لیکن اسے زندہ و سرسبز رہنے کے لیے زیادہ نائٹروجن (Nitrogen) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب قدرت نے اس کا بندوبست یوں کیا کہ یہ کیڑے ہضم کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صراحی نما گردن دے رکھی ہے۔ جس کے منہ پر ڈھکن سا لگا ہوتا ہے۔ اس صراحی میں یہ پودا میٹھا میٹھا رس پیدا کرتا ہے۔ اس کی بھینی بھینی خوشبو پر حشرات متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ رس پینے اندر اُترتے ہیں اُوپر سے صراحی کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ پودے کے اندر سے دیواریں خامرے پیدا کرتی ہیں جو کیڑے کو ہضم کر ڈالتے ہیں۔ اس طرح پودے کے لیے زیادہ نائٹروجن مہیا ہو جاتی ہے کیونکہ گوشت پروٹین کا بنا ہوتا ہے۔ پروٹین میں امائنو ایسڈز (Amino Acids) اور امائنو ایسڈز میں بکثرت نائٹروجن میسّر ہوتی ہے۔ سن ڈیو پلانٹ، وینس فلائی ٹریپ وغیرہ اس طرح کے حشرات خور پودوں کی مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کمال کا حساب رکھا ہے کہ جب شکار کم ہو جائے تو شکاری بھی کم ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایک توازن ہے جسے پروردگار غیر متوازن نہیں ہونے دیتا۔ ہماری دُنیا میں اس رزق کی تقسیم کا توازن یوں بھی رکھا گیا ہے کہ کسی ایک شے کو فنا نہ ہونے دیا جائے۔ مثلاً: دُنیا کے تمام انسان یہ تہیہ کر لیں کہ آج ہمیں بکرا پکا کر کھانا ہے تو شاید آدھی دُنیا بکرے کی ایک بوٹی بھی منہ میں نہ رکھ سکے، البتہ بکرے دُنیا سے ناپید ہو جائیں، چنانچہ توازن رکھا گیا ہے کہ انھیں ناپید ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ مثلاً آپ کے محلے میں دس بیس گھر ہیں تو تقریباً ہر گھر میں الگ الگ انواع کے کھانے پکے ہیں۔ چنانچہ سب کھا رہے ہیں اور سبھی باقی بچ بھی رہے ہیں۔ یہی اللہ کی بے مثل قدرت ہے۔ سائنس کی دُنیا میں اسے فوڈ چین (Food Chain) کہتے ہیں کہ ایک جاندار دوسرے کی خوراک بن جاتا ہے۔ مُردار جانداروں کو کھانے والے بھی موجود ہیں جیسے گدھ۔ گلے سڑے حیاتیاتی مادے کھانے والے بھی موجود ہیں جیسے کیچوا۔ سب کچھ کھانے والے بھی موجود ہیں جیسے کوا، ریچھ، لومڑی، سؤر وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کا رزق مقرر کر رکھا ہے۔ ملتا وہ ہے جو مقدر میں ہے۔ رزق کا وعدہ اُس نے کر رکھا ہے بخشش کا نہیں۔ ہم رزق کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔ بخشش کے لیے نہیں!

بقیہ : امام کعبہ، چیف ایڈیٹر کے گھر میں

میں نے ہر جگہ محسوس کیا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے محبت کرنے والے مخلص لوگ ہیں۔ ہمیں اس قسم کے پروگراموں کو جاری رکھنا چاہیے تاکہ ہم مزید قریب آئیں اور مل جل کر امت مسلمہ کی بھلائی اور بہتری کے لیے کام کریں۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے ایک پاکستانی قاری سے حرم شریف میں قرآن کریم حفظ کیا تھا۔ میں جب پاکستان گیا تو ان کے گھر بھی گیا تھا۔ اور ان کی مسجد میں نمازیں بھی پڑھائی تھیں۔ اس موقع پر انھوں نے پروفیسر ساجد میر صاحب سے مرحوم میاں نعیم الرحمٰن کی فیملی کے بارے میں بڑی تفصیل سے پوچھا۔ ان کے لیے بخشش کی دعا فرمائی اور تحسین کے کلمات کہے۔ واضح رہے کہ امام صاحب ان کے گھر لاہور میں تشریف لے جا چکے ہیں۔ راقم الحروف سے انھوں نے ڈاکٹر محمد محسن خان کی صحت کے بارے میں بھی پوچھا۔ فرمانے لگے: آپ لوگوں کا نوبل قرآن الحمدللہ ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد محسن خان کے بارے میں فرمانے لگے کہ ہم لوگ گرمیوں کے موسم میں طائف رہتے تھے۔ یہ ہمارے ہمسایہ تھے۔ چونکہ والد بیمار رہتے تھے اور انھیں انجکشن لگانا ہوتا تھا میں نے انجکشن لگانے کا طریقہ انھی سے سیکھا تھا۔ انھوں نے اپنے والد صاحب کی ذہانت کے حوالے سے کئی واقعات سنائے۔ حاضرین کو انھوں نے بتایا کہ وہ رئیس القضاۃ تھے اور نہایت ہی عمدہ فیصلے کرتے تھے۔ ان کے بعض فیصلے الحمدللہ کتاب تاج القضاۃ میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کا بطور خاص ذکر ہوا۔ برادرم عابد الٰہی صاحب نے ان کا سلام پیش کیا۔ انھوں نے بڑے عمدہ ریمارکس دیے۔

اس موقع پر ریاض کی معروف علمی شخصیت بہت سی دینی کتب کے مؤلف شیخ محمد اقبال کیلانی بھی موجود تھے۔ امام صاحب ان سے بھی بڑی محبت سے ملے اور ان کی خیریت دریافت کی۔ مولانا اقبال کیلانی اس دور پرفتن میں سلف صالحین کی سادگی اور للّٰہیت کی عملی تصویر ہیں۔ ان کی علمی خدمات سے اردو بولنے والے لوگوں نے بہت استفادہ کیا ہے۔

میرے بہت ہی پیارے اور محترم دوست ڈاکٹر امیر بخش چنا بھی معزز مہمانوں میں شامل تھے۔ انھوں نے کئی برس کی محنت شاقہ کے بعد قرآن کریم کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا ہے جسے حال ہی میں دار السلام نے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ کنگ خالد یونیورسٹی ہسپتال میں پروفیسر کے فرائض انجام دینے کے بعد حال ہی میں ریٹائر ہوئے تھے تو امام صاحب نے فرمایا: ڈاکٹر کبھی ریٹائر نہیں ہوتا بلکہ وہ جیسے جیسے عمر کی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے اس کے تجربے اور علم میں پختگی آتی چلی جاتی ہے۔ ڈاکٹر چنا صاحب بھی دنیا بھر میں آنکھوں کے مریضوں کے علاج کی ایک تنظیم سے منسلک ہیں اور خدمت خلق کے بہت سے کام اللہ تعالیٰ ان سے لے رہا ہے۔

ڈاکٹر محمد ریاض خواجہ اپنی پوری فیملی سمیت اس موقع پر موجود تھے۔ ڈاکٹر خواجہ بھی ماشاء اللہ فلاحی اور خدمت انسانیت کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور ایک دردمند دل رکھنے والے انسان ہیں۔ میرے ان کے ساتھ ایک لمبے عرصے سے قریبی تعلقات ہیں جن میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید مضبوطی اور گہرائی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مؤسسة العنود الخيريه کے الأمين العام جناب ڈاکٹر محمد یوسف الحزیم نے اپنے تجربات، مشاہدات اور موسسة العنود کے بارے میں امام صاحب کو تفصیل سے بتایا۔ واضح رہے کہ یہ العنود فاؤنڈیشن شاہ فہد بن عبدالعزیز کی اہلیہ شہزادی ''العنود'' کے نام پر بنایا گیا ہے۔ یہ ادارہ غالباً سعودی عرب میں خیراتی اداروں میں کام کرنے والوں میں اول نمبر پر ہے۔

گھر والوں کی طرف سے کھانے کا اشارہ آ چکا تھا کہ کھانا چن دیا گیا ہے۔ معزز مہمانوں کو بڑے احترام اور محبت کے ساتھ کھانا پیش کیا گیا۔ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے امام صاحب کے ساتھ ہی کرسی لگوالی۔ انھوں نے کھانا بہت کم کھایا۔ تاہم اس کے ذائقے کی تعریف فرمائی۔ اس روز واقعی کھانا بڑا مزیدار تھا۔ تمام حاضرین نے بھی بڑے اچھے جذبات کا اظہار کیا۔ جہاں تک راقم الحروف کا تعلق ہے تو کچھ نہ پوچھیے۔ میں خوشی سے سرشار تھا۔ جب میں سوچتا کہ آج میرے گھر وہ شخصیت بیٹھی ہوئی ہے جو بیت اللہ شریف میں امامت کرواتے ہیں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں۔ درس دیتے ہیں۔ نہ جانے کتنے سوملین افراد ان کی امامت میں نمازیں ادا کر چکے ہیں۔ یہ واقعی ولی اللہ ہیں۔ کسی نے بتایا ہے کہ شیخ صاحب ہر ساتویں روز قرآن کریم ختم کرتے ہیں۔

میری اہلیہ اور بیٹیوں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ ہم بھی امام صاحب کو سلام کرنا چاہتی ہیں تو وہ فوراً میرے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ اندر تشریف

لے گئے۔ان کو ادب سے بٹھایا گیا۔اہلیہ نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ میرے گھر تشریف لائے ہیں۔گھر کی تمام خواتین الحمدللہ مکمل طور پر نقاب میں تھیں۔ انھوں نے دعا کے لیے عرض کی۔میرا پوتا بیمار ہے اس کے لیے انھوں نے پانی دم کر کے دیا۔میری بڑی بیٹی اپنے نوزائیدہ بیٹے ادریس بن فیصل علوی کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔امام صاحب سے اس نے گھٹی دینے کی خواہش ظاہر کی جو انھوں نے منظور فرمائی۔اپنے ہاتھوں سے بچے کو گھٹی دی۔یہ لمحات ہمارے خاندان کے لیے بلاشبہ بڑے ہی مبارک تھے۔عزیزی فیصل علوی خوشی سے سرشار تھے کہ ان کے فرزند کو امام صاحب نے نہ صرف گھٹی دی بلکہ پیار کیا اور اس کے لیے دعائیں بھی کیں۔میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ امام صاحب اور پروفیسر ساجد میر صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میرے پاس شکریے کے علاوہ ان بڑی شخصیات کے لیے اور کیا ہوسکتا ہے۔امام صاحب نے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ ہمارے گھر میں قیام کیا۔

ایک مبارک اور علمی شخصیت جو کھانے کے بعد تمام حاضرین سے گھل مل گئی اور لوگوں کے سوالات کے جوابات بڑی محبت اور پیار سے دیے۔ہماری مسجد کے امام شیخ عبدالعزیز الاحیدب تمام مصروفیات چھوڑ کر بڑے ذوق وشوق سے تشریف لائے وہ ان کے والد گرامی کے بڑے مداح ہیں۔انھوں نے کرید کرید کر ان کی زندگی کے حالات کے بارے میں پوچھا۔راقم الحروف نے ان کو پاکستان میں دارالسلام قرآن پرنٹنگ کمپلیکس کے بارے میں تفصیلی بریفنگ دی۔انھیں آئی پیڈ پر اس پریس کی تصاویر دکھائیں اور انھیں بتایا کہ یہ پریس قرآن کریم کی طباعت کے لیے وقف ہے۔اسے لاہور میں موٹروے پر پانچ ایکڑ جگہ پر لگایا گیا ہے۔یہ پریس تجارتی بنیادوں پر کام کرے گا اور اس پریس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے قرآن کریم، اس کے تراجم اور کتب حدیث وسیرت ودیگر اسلامی کتب شائع کر کے مفت تقسیم کی جائیں گی۔انھوں نے بہت گہری دلچسپی سے سارا منصوبہ سنا اور تصاویر کو بھی خصوصی توجہ سے دیکھا۔راقم کو انھوں نے اپنی ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔بالآخر امام صاحب کی روانگی کا لمحہ آ پہنچا۔انھوں نے ہم سے اجازت چاہی اور تمام حاضرین ان کو رخصت کرنے کے لیے گھر سے باہر آئے اور انھیں اور ان کے ساتھیوں کو بڑے ہی پرتپاک طریقے سے رخصت کیا۔

ہیپاٹائٹس B/C

اور تمام امراضِ جگر کا مستقل علاج (ان شاء اللہ)

- LFT 10 سے 15 روز میں رپورٹ کلیئر
- یورک ایسڈ۔کولیسٹرول۔مردانہ جراثیم پرابلم (مردانہ تولیدی جراثیم کا مردہ یا کم ہونا)
- گردہ۔مثانہ اور پتہ کی پتھری کا بغیر آپریشن علاج
- امراضِ دل کا بغیر آپریشن مستقل علاج

دل کا بڑھ جانا | والوز کا بند ہونا | شریانوں کا بند ہونا

ہربل فزیشن
شاہد سجاد
0333 69 68 843
0301 69 31 632
ٹائم لے کر تشریف لائیں

تمام امراض کا ہربل ادویات سے بغیر کسی سائیڈ ایفیکٹ کے علاج کیا جاتا ہے

مطب شفاء الخیر
24- علامہ اقبال روڈ نزد ریلوے کیرن ہسپتال لاہور (بروز سوموار تا جمعہ)
عقب مسجد رحمانیہ اہل حدیث کچہری روڈ نزد دفتر جماعت اسلامی چیچہ وطنی (بروز اتوار)